فلسفۂ شہادتِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اُمّتِ مُحمّد کے لئے

پیغامِ حیات

مُجاہدِ ملّت مولانا مُحمّد عبدُالستّار خان نیازی

مع

آئینۂ قیامت

(واقعاتِ شہادت)

تألیف: مُحمّد حسن رضا خان حسنؔ رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۂ رضویہ لاہور

فلسفہ شہادتِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امتِ محمدیہ کے لئے

پیغامِ حیات

مجاہدِ ملت مولانا محمد عبد الستار خان نیازی

مع

آئینہ قیامت

(واقعاتِ شہادت)

تالیف: محمد حسن رضا خان حسن رح

مکتبہ رضویہ، لاہور

کتاب ـــــــــ فلسفہ شہادتِ حسین رض امتِ محمدیہ کے لئے پیغامِ حیات
مصنف ـــــــــ مولانا محمد عبدالستار خان نیازی مدظلہ،

کتاب ـــــــــ آئینہ قیامت
مؤلف ـــــــــ محمد حسن رضا خان حسن علیہ الرحمہ
کل صفحات ـــــــــ ۱۵۴
مطبع ـــــــــ لیاقت آصف پرنٹرز، لاہور
سنِ طباعت ـــــــــ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ/ جولائی ۱۹۸۸ء
اشاعتِ اول ـــــــــ ۱۱۰۰
ناشر ـــــــــ مکتبہ رضویہ، ۲/۴۴ سودھیوال کالونی، ملتان روڈ
ـــــــــ لاہور نمبر ۵۴۵۰۴
قیمت ـــــــــ ۲۵/- روپے
واحد تقسیم کار:
شبیر برادرز، ۴۰-بی، اُردو بازار، لاہور ۵۴۰۰۰


روضۂ مبارک سیدنا امام حسین علیہ السلام

حرفِ ناشر

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت ، مجدّد دین وملّت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ / ۱۸۵۶ء - ۱۹۲۱ء) کے برادر اصغر حضرت مولانا حسن رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۷۶ھ - ۱۳۲۶ھ / ۱۸۶۰ء - ۱۹۰۸ء) اپنی خاندانی نجابت کی بناء پر ہی نہیں ذاتی علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے باعث بھی تاریخ میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں ۔ بالخصوص شعر و سخن میں آپ نے وہ بلند درجہ حاصل کیا کہ اپنے دور کے مقتدر و ممتاز شعراء میں آپ کا شمار ہوتا ہے ۔ نواب میرزا خان داغ دہلوی (م ۔ ۱۹۰۵ء) آپ کے استاد تھے اور انہیں اس بات پر ناز تھا ۔ حضرت کے کلام میں داغ کا رنگ نمایاں ہے ۔ نعتیہ دیوان کے علاوہ بہت سی دوسری تصانیف آپ کی پچاس سالہ حیات مستعار کا شاہکار ہیں ۔ ان میں زیر نظر کتاب "آئینۂ قیامت" اس اعتبار سے خصوصی اہمیّت کی حامل ہے کہ قیام پاکستان سے قبل کم از کم دس بار زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی ۔ ہم جس ایڈیشن کا عکس شائع کر رہے ہیں ، وہ اس معرکۃ الآرا تالیف کی اشاعت نہم ہے ، اسے رِضوی کتب خانہ ، بریلی شریف نے زیور طبع سے آراستہ کیا ۔ وطن عزیز میں بھی پیشتر ازیں یہ کتاب دو مرتبہ چھپ چکی ہے ۔

حادثۂ کربلا پر حضرت مولانا حسن رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اندازِ بیان نہایت ہی دلسوز اور دلنشین ہے ۔ فی الحقیقت یہ کتابچہ اس موضوع پر کئی ضخیم کتب پر بھاری ہے ۔ اس کی افادیّت کے پیش نظر ہم نے اسے ایک بار پھر شائع کرنے کا ارادہ کیا تو مناسب معلوم ہُوا کہ اس کا پیش لفظ کسی ایسی شخصیّت سے لکھوایا جائے جو علوم اسلامیہ اور تاریخ الامّت پر یکساں دسترس رکھتی ہو ۔ جویندہ یابندہ ، ہماری رسائی مجاہد ملّت حضرت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی مدظلہ کی ذات گرامی تک ہوئی ، جو عملاً پیغامِ حُسینیّت کے سچے علمبردار ہیں اور یزیدیّت کے خلاف ہمیشہ سر بکف رہے ہیں ، سُنّتِ سید الشہداء کی اتباع میں جنہیں دارورسن کی منازل سے آشنا ہونا پڑا ۔ سزائے موت کے بعد پھانسی کی کوٹھڑی جن کے پائے استقلال کو سرِ مو نہ ہلا سکی ۔ آپ کی زندگی فی الواقع حضرت امام حُسین رضی اللہ عنہ کے ایک

سچے خادم اور مردِ حُر کی زندگی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابدی صداقت پر مبنی موقف کے حق میں زبان کھولتے ہیں تو آپ کا عمل اس پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا جاتا ہے ۔

حضرت مجاہد ملت مدظلہ نے ہماری گذارش پر جب پیش لفظ رقم فرمایا تو یہ ایک مستقل تصنیف بن گئی اور اصل کتابچہ سے اس کی ضخامت کہیں زیادہ ہو گئی ۔ ہم نے بارہا تنقیدی نظر سے اس کا جائزہ لیا اور بعض اہلِ علم حضرات سے ان کی قیمتی آراء بھی طلب کیں ، اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی کی یہ بے مثل تحریر بلا حکّ و اضافہ من و عن قارئین تک پہنچانا از بس ضروری ہے ۔ چنانچہ آپ کے فاضلانہ خیالات کو بعنوان : "فلسفۂ شہادتِ حسین

امتِ محمدیہ کے لئے

پیغامِ حیات"

آئینۂ قیامت کے ساتھ شائع کر رہے ہیں ۔

قمرالدین امرتسری
ناظمِ مکتبہ

لاہور
یکم محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

فہرست

رمزِ قرآں از حسینؓ آموختیم
ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم

ماحیٔ بدعت، حامیٔ سُنّت، مدّاح و جان نثار شانِ رسالت حضرت مولانا علامہ الحاج جناب محمد حسن رِضا خان صاحب قادری برکاتی ابوالحسینی روح اللہ روحہ و نُور مرقدہ نے "آئینۂ قیامت" کے عنوان سے اپنی قابلِ قدر تالیف میں شہادتِ امام عالی مقام کے گُل ہائے عقیدت اور اسرار ہائے اعلاء کلمۃ الحق بیان کئے ہیں، وہ تاریخی حقائق اور علمی نوادرات، ایمانی حسّاسات، فصاحت و بلاغت اور ادبی سلاست اور برجستگی کا ایک شاہکار ہے۔ لُطف کی بات یہ ہے کہ اس تالیفِ لطیف میں جناب محمد حسن رِضا خان صاحب نے امام عالی مقام اور اہلِ بیت کے ساتھ اپنی والہانہ محبّت اور شیفتگی کے ساتھ ساتھ واقعات کو اس انداز میں بیان کیا ہے کہ یہ مختصر رسالہ ایک ضخیم اور مفصّل تصنیف پر بھاری ہے۔ اندازِ بیان اتنا دِل آویز ہے کہ ایک طرف واقعات کا تسلسل پوری جامعیّت کے ساتھ قائم رہتا ہے اور اس کے ساتھ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ کے فدا کار و جان نثار مُتبّعین اور اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیّت، عظمت و وقار اور پاکیزگی بھی قائم رہتی ہے۔

قبل اس کے کہ مَیں شہادتِ امام عالی مقام کی اہمیّت، عظمت و وقار، تصوّرِ خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت میں اس کا صحیح مقام معیّن کروں۔ مَیں زیرِ تبصرہ کتاب میں مؤلّف کی پُر خلوص ادبیّت کی جانب بھی قارئین کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں۔ یزید کے ظالمانہ نظامِ حکومت کا نقشہ کھینچتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

"اس مردود نے اپنی حکومت کی مضبوطی، اپنی ذلیل عزت کی ترقی اس امر میں منحصر سمجھی کہ اہل بیت کرام کے مقدس و بے گناہ خونوں سے اپنی ناپاک تلوار رنگے۔ اس جہنمی کی نیت بدلتے ہی زمانے کی ہوا نے پلٹے کھائے اور زہریلے جھونکے آئے کہ جاوداں بہاروں کے پاک گریبان بے خزاں پھولوں، خوشگفتہ گلوں کے غم میں چاک ہوئے۔ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہری بھری لہلہاتی پھلواری کے سہانے نازک پھول مرجھا مرجھا کر طرازِ دامنِ خاک ہوئے۔"[1]

---

[1] حسن، محمد حسن رضا خان: آئینۂ قیامت: مطبوعہ رضوی کتب خانہ، بریلی۔ بار نہم ص ۲

روضۂ مقدس پر امام عالی مقام کی آخری حاضری کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فاضل مؤلف لکھتے ہیں :۔

"صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کے بعد سر جُھکا کر کھڑے ہو گئے ہیں ۔ غمِ فراق کلیجے میں چٹکیاں لے رہا ہے ، آنکھوں سے لگاتار آنسو جاری ہیں ، رقت کے جوش نے جسم مبارک میں رعشہ پیدا کر دیا ہے ۔ بے قراریوں نے محشر برپا کر رکھا ہے ۔ دل کہتا ہے سر جائے مگر یہاں سے قدم نہ اُٹھائیے ۔ صُبح کے کھٹکے کا تقاضا ہے ، جلد تشریف لے جائیے ۔ دو قدم جاتے ہیں اور پھر پلٹ آتے ہیں ۔ حُبِّ وطن قدموں پر لوٹتی ہے کہ کہاں جاتے ہو ۔ غربت دامن کھینچتی ہے ، کیوں دیر لگاتے ہو ، شوق کی تمنّا ہے کہ عمر بھر نہ جائیں ۔ مجبوریوں کا تقاضا ہے ، دم بھر نہ ٹھہرنے پائیں" ۔ ۱

اس تالیف میں مومنانہ سوز و گُداز اور عشق و نیاز کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری ع "دل می رود ز دستم صاحبدلاں خدارا" کا دِلنواز پیکر بن جاتا ہے ، ملاحظہ فرمائیے ؎

خوباں دل و جان بے نوا میخواہند
زخمے کہ زنند مرحبا میخواہند
ایں قوم ایں قوم چشم بد دور ایں قوم
خون می ریزند و خون بہا میخواہند

اور یہ امتحان کچھ حسینانِ زمانہ ہی کا دستور نہیں حُسنِ ازل کی دلکش تجلّیوں اور دلچسپ جلووں کا بھی معمول ہے کہ فرمایا جاتا ہے ۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ

_____ (اور ضرور ہم تمہارا امتحان کریں گے کچھ خوف کچھ بھوک سے اور مال گھٹا کر اور جانوں اور پھلوں سے ۔) جب ان کڑیوں کو جھیل لیا جاتا اور ان تکلیفوں کو برداشت کر لیا جاتا ہے تو پھر کیا پوچھنا سراپردۂ جمال ترسی ہوئی آنکھوں کے سامنے سے اُٹھا دیا جاتا اور مدّت کے بے قرار دل کو راحت و آرام کا پُتلا بنا دیا جاتا ہے ۔ اسی بنیاد پر تو میدانِ کربلا میں امام مظلوم کو وطن سے چھڑا کر پردیسی بنا کر لائے ہیں اور آج صُبح سے ہمراہیوں ، رفیقوں بلکہ گود کے پالوں کو ایک ایک کر کے جُدا کر لیا گیا ہے ۔ کلیجے کے ٹکڑے خون میں نہائے آنکھوں کے سامنے

۱۔ آئینہ قیامت : ص ۱۰

پڑے ہیں ۔ ہری بھری پھلواری کے سہانے اور نازک پھول پتی پتی ہو کر خاک میں ملے ہیں اور کچھ پروا نہیں ۔ پروا ہوتی تو کیوں ہوتی کہ راہِ دوست میں گھر لُٹانے والے اسی دن کے لئے مدینے سے چلے تھے ۔ جب تو ایک ایک کو بھیج کر قربان کردیا اور جو اپنے پاؤں نہ جا سکتے تھے اُن کو ہاتھوں پر لے کر نذر کر آئے ۔ کہاں ہیں وہ ملائکہ جو حضرت انسان کی پیدائش پر چون و چرا کرتے تھے ، اپنی جانمازوں اور تسبیح و تقدیس کے مصلّوں سے اُٹھ کر آج کربلا کے میدان کی سیر کریں اور اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کی شاندار تفسیر حیرت کی آنکھوں سے ملاحظہ فرمائیں"۔ ۱

صفحہ ۴۶ ، ۴۷ پر "تاریخ کا پچھلا حصہ اور امام تشنہ کام کی شہادت" کے عنوان سے اہل بیت کی عظمت اور بے مثال قربانی پر تیس اشعار کا نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے بعد مقطع میں فرماتے ہیں ؎

بے ادب گستاخ فرقے کو سُنا دے اے حسنؔ
یُوں کہا کرتے ہیں سُنّی داستانِ اہلِ بیت

اس کے بعد میدانِ کربلا کا نقشہ پیش کرتے ہیں ۔ فھوھذا :

"اے کوثر ! اپنے ٹھنڈے اور خوشگوار پانی کی سبیل تیار رکھ کہ تین دن کے پیاسے تیرے کنارے جلوہ فرمائیں گے ۔ اے طوبےٰ ! اپنے سائے کے دامن اور دراز کر ، کربلا کی دھوپ کے لیٹنے والے تیرے نیچے آرام لیں گے ۔ آج میدانِ کربلا میں جنتوں سے حوریں سنگار کئے ٹھنڈے پانی کے پیالے لئے حاضر ہیں ۔ آسمان سے ملائکہ کی لگاتار آمد نے سطح ہوا کو بالکل بھر دیا ہے اور پاک روحوں نے بہشت کے مکانوں کو سُونا کر دیا ۔ خود حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینۂ طیبہ سے اپنے بیٹے لاڈلے حُسین کی قتل گاہ میں تشریف لائے ہوئے ہیں ، ریش مبارک اور سر اطہر کے بال گرد میں اَٹے اور مقدس آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھا ہوا ہے ، دستِ مبارک میں ایک شیشہ ہے جس میں شہیدوں کا خون جمع کیا گیا ہے اور اب مقدس دل کے چین پیارے حُسین کے خون بھرنے کی باری ہے ؎

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہاں · نیاز مندے
کہ بوقتِ جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

---

۱ آئینہ قیامت، ص ۴۳ ۔ ۴۴

غرض آج کربلا میں حُسینی میلہ لگا ہُوا ہے ۔ حُوروں سے کہو کہ اپنی خوشبودار چوٹیاں کھول کر کربلا کا میدان صاف کریں کہ تمہاری شاہزادی ، تمہاری آقائے نعمت فاطمۂ زہراء کے لال کے شہید کرنے اور خاک پر لٹائے جانے کا وقت قریب آگیا ہے ۔ رضوان کو خبر دو کہ جنتوں کو بِھینی بِھینی خوشبوؤں سے بسا کر دل کش آرائشوں سے آراستہ کر کے دُلہن بنا رکھے کہ بزمِ شہادت کا دولہا بہتے خون کا سہرا باندھے ، زخموں کے ہار گلے میں ڈالے عنقریب تشریف لانے والا ہے"۔ ۱

حادثۂ کربلا اور حُرّیّتِ اسلامیہ کی حقیقت

حضرت امام عالی مقام کا یزید کے ظالمانہ اور مستبدانہ نظامِ حکومت کو چیلنج کرنا اور ایمانی غیرت و مردانہ وقار کے ساتھ زہرہ گُداز حوادث کا مقابلہ کرنا ، ظالم کی بیعت نہ کرنا اور اس کی پاداش میں موت کے آئینے میں رُخِ دوست کا نظارہ کرنا ایک ایسی عزیمت و استقامت کا شاہ نشان ہے کہ تا قیامِ قیامت سالارانِ قافلۂ حُریّت کے لئے مینارِ نُور ثابت ہوگا ۔ انہوں نے اس قافلہ کے ہر فرد کو یہ سبق دیا کہ ؂

چڑھ جائے کٹ کے سر تیرا نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول!

چاہئے تو یہ تھا کہ اُمتِ محمدیہؐ کا ہر فرد شہادتِ حسینؓ کو مِلّی اجتماعی زندگی کا نمونہ سمجھتا اور دینِ مُبین کے استحصال ، تلبیس اور منافقت کا مقابلہ کرنے کے لئے امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت کو اپنے لئے بطور مکمل راہبر و راہ نُما قبول کرتا ، مگر افسوس ہے کہ اس شہادتِ عظمیٰ پر دعوتِ اتحادو اتفاق دینے کے بجائے افتراق ، باہم آویزی اور فرقہ وارانہ مناقشت کا بازار گرم کر دیا جاتا ہے ۔ امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کی آمریّت کو اسلامی تصوّرِ خلافت کے لئے زہرِ ہلاہل سمجھا ۔ بقول حکیمُ الامّت ؂

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؓ و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوتِ شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است

۱۔۔۔ آئینۂ قیامت ، ص ۴۸

تاقیامت قطعِ استبداد کرد
موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد
بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لاالہ گردیدہ است[1]

انہوں نے اس جابرانہ نظام کو بدلنے کے لئے نعرۂ حق بلند کیا ۔ یزید کے طرزِ عمل کو آج تک اُمّتِ مُسلمہ نے ہمیشہ گمراہ کُن اور باطل قرار دیا ۔ یہی وجہ ہے کہ رُوئے زمین پر سو کروڑ یعنی ایک ارب مُسلم آبادی میں آپ کو لاکھوں اور کروڑوں غلام حُسین ، محمّد حُسین ، نذر حُسین وغیرہ اشخاص مل جائیں گے ۔ لیکن غلام یزید ایک بھی نہیں ملے گا ۔ اُمّتِ مسلمہ کے لئے شہادتِ امام حُسینؓ ، جہادِ زندگانی اور جوشِ کردار کے لئے زبردست قوّتِ محرّکہ ہے ۔ اسی نکتۂ شہادت کو لے کر مردِ مومن فرعونیّت ، قارونیّت اور یزیدیّت کا خاتمہ کر سکتا ہے ۔ جس ملک کے اندر حکمران طبقہ اسلامی شورائی نظام سے انحراف کرے گا ، قوم اُسوۂ شبیری کو اپناتے ہوئے اُس کے مقابلے میں آجائے گی اور اسے خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کی خصُوصیّات عطا کرنے کے لئے ہر ممکن ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرے گی ۔ حکیمُ الاُمّت کا یہ ارشاد ؎

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری[2]

اسی تصوّر کو واضح کرتا ہے ۔

امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے نانا جان سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ و سلّم اور سیّدۃ النساء فاطمتہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آغوشِ محبت میں تربیّت پائی تھی ۔ اپنے والد ماجد حیدر کرّار حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی پوری زندگی میں انہیں سرپرستی حاصل رہی ۔ شیخین کریمین سیّدنا صدیق اکبر اور سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بابرکت عہدِ خلافت میں انہوں نے نہ صرف اپنے والد کی بہترین قضا اور عدالت کا مشاہدہ کیا ، بلکہ دورِ شیخین میں بھی ہر دو بزرگوں کے نظامِ حکومت کا بغور مشاہدہ کیا ۔ حضرت عثمان جامع القرآن ذوالنّورین رضؓ کے دَور میں اپنے والد کی پاکیزہ سیرت کے ساتھ ساتھ اپنے خالِ محترم خلیفۂ ثالث کے زمانے میں تہذیب و تمدّن ، اخلاق و معاشرت ، سیاست و جہاد اور زندگی کے ہر پہلو کو

---

۱ ..... اسرار و رموز (اسرار خودی و رموز بے خودی) ۔ مطبوعہ کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس ۔ لاہور ۱۹۴۰ء ۔ بار دوم ۔ ص ۱۲۷

۲ ..... ارمغان حجاز ۔ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز ۔ لاہور ۱۹۵۹ء ۔ طبع ہفتم ۔ ص ۲۶۲

بنظرِ غور دیکھا ۔ دورِ عثمانی کی جنگوں میں سرگرمِ جہاد رہے۔[۱] حکومت میں نیابت اور دولت میں امانت پر مؤسس خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کا زمانہ اُن کے سامنے تھا ۔ جب انہوں نے دیکھا کہ خلافت ، ملوکیّت اور قیصریّت میں تبدیل ہو رہی ہے تو اُس کے مقابلے میں ڈٹ گئے اور بے خوف و خطر اس غلط روش کا زور توڑنے کے لئے میدانِ عمل میں آ گئے ۔ خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کا تصور یہ ہے کہ ملک خدا کا ہے ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾[۲] ، تمام انسان اللہ کی مخلوق اور رعیّت ہیں اور حکومت ، صدرِ مملکت ، وزراء بلکہ تمام صاحبانِ اقتدار ، خدا کے سامنے جوابدہ ہیں ۔

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام
نے غلام اُورا نہ اُوکس را غلام[۳]

یعنی حکومت مالکِ مطلق نہیں ہے اور نہ ہی رعیّت اُس کی غُلامِ بے دام ہے ۔ حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ قانونِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں اور پبلک کے سامنے جوابدہ ہیں ۔ آیتِ قرآنی ﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[۴] کے ماتحت اسلامی حکومت "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کی پابند ہے ۔ حضرت امام حُسینؓ کے سامنے ایک عام قبطی نے گورنر مصر کے صاحبزادے کے خلاف امیرالمؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی کھلی کچہری میں دورانِ موسمِ حج استغاثہ پیش کیا اور گورنر کے لڑکے سے بدلہ لیا ۔ مسجد نبوی میں ایک شخص نے کھڑے ہو کر فاروقِ اعظم جیسے جابر خلیفہ کو ٹوک دیا اور پوچھا کہ تم نے کُرتہ کہاں سے بنایا ہے ۔ اس قسم کے بیسیوں واقعات اُن کے سامنے تھے ۔ اس لئے یزید کی ولی عہدی سے جس انسانی بادشاہی کا مسلمانوں میں آغاز ہُوا اور اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ[۵] کا تصوّر صرف زبانی اعتراف تک محدود رہ گیا تھا ، اسے بدلنے کے لئے انہوں نے یزیدی حکومت کو چیلنج کر دیا ۔ وہ سلطنت قائم

۱..... عبدالقیوم ندوی ، مولانا ، تاریخ ملت (حصہ دوم) ، مطبوعہ ایم ثناء اللہ خاں اینڈ سنز ، لاہور ۱۹۶۰ء ، ص ۱۱۲

۲..... (اے حبیب!) فرمادیجئے اے اللہ! اے مالک سب ملکوں کے! (۳:۲۶)

یعنی حکومت دینے والا وہی ہے ۔ کسی فرد یا قوم کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ حکومت اور عزت کو اپنا پیدائشی حق سمجھنے لگے ۔

۳..... اقبال ، علامہ محمد ، جاوید نامہ ، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز ، لاہور ۱۹۵۹ء ، طبع چہارم ، ص ۷۸

۴..... وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں اقتدار بخشیں زمین میں تو وہ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم کرتے ہیں (لوگوں کو) نیکی کا اور روکتے ہیں (انہیں) برائی سے (۲۲:۴۱)

۵..... نہیں ہے حکم (کا اختیار کسی کو) سوائے اللہ تعالیٰ کے (۱۲:۴۰)

کرنے کے بجائے مروّجہ نظامِ حکومت کو بدلنا چاہتے تھے ۔ اگر سلطنت اور ملک گیری کی ہوس ہوتی تو وہ اپنے محترم چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے یمن کا رُخ کرتے اور یزید کے مقابلے کے لئے بہتّر تن کے بجائے بہتّر ہزار مجاہدین کو ساتھ لے کر میدانِ جنگ میں وارد ہوتے ۔ بقول حکیمُ الاُمّت ؎

مدّعایش سلطنت بودے اگر
خود نکردے باچنیں ساماں سفر
دشمنان چوں ریگِ صحرا لاتُعد
دوستانِ اُو بہ یزداں ہم عدد
سرِ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بُود
یعنی آں اجمال را تفصیل بُود[1]

افسوس ہے کہ جس عظیم مقصد کے لئے امام عالی مقام علیہ السّلام نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اور آل و اولاد کو قربان کر دیا ۔ بجائے اِس کے کہ تمام فرقے باہم مل کر مستبدانہ آمریّت کے خلاف جنگ آزما ہوں ، ہم اپنی خود ساختہ سیاسی منصوبہ بندی کے مطابق کام کرتے رہیں اور امام عالی مقام کے نصب العین کو نظر انداز کر دیں تو محض اُن کی ذات کے لئے گریہ و زاری ، نالہ و شیون اور آہ و بکا اور بین کرکے ، اور ان کے قاتلوں یزید ، شمر ، ابن زیاد ، ابن سعد وغیرہ پر لعن طعن کرکے قیامت کے روز نہ تو ہم سیّدالشہداء امام عالی مقام سے کسی داد کی امید رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ عزیز و جبّار ربّ اِس کی کچھ قدر کرے گا ۔

ہم ابھی بتا چکے ہیں کہ اُن کا مقصد محض حُصولِ اقتدار نہ تھا ۔ اگر بعض لوگوں کا یہ نظریہ مان لیا جائے کہ استحقاق خلافت کے لئے کسی خاندان کا انتخاب اہمیّت رکھتا تھا ، تب بھی سیّدنا حضرت صدّیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر امیر معاویہؓ تک پچاس برس کی پوری تاریخ (۱۱ھ تا ۶۰ھ) اس بات کی گواہ ہے کہ حکومت حاصل کرنے کے لئے لڑنا اور کُشت و خون کرنا ہرگز ان کا مسلک نہ تھا ۔ صفّین میں بھی مرکزی مسئلہ قصاصِ سیّدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حُصول تھا اور بالآخر اسی امر پر اتفاق ہُوا کہ جو جو علاقے فریقین کے زیرِ تصرّف ہیں ، سرِ دست قانونِ شریعت کے مطابق وہاں حکومت کی جائے ۔ اگلے سال فریقین جمع ہو کر قصاص کے لئے پروگرام مرتّب کریں ۔ جہاں تک قانونِ شریعت کی بالادستی کا تعلق ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فریقین کے محروسہ ممالک پر شرعی قانون کے متعلق حضرت علی

---

1. اسرار و رموز (اسرار خودی و رموز بے خودی) ۔ ص ۱۲۷ ۔ ۱۲۸

المرتضی کرم اللہ وجہہ کا فتویٰ فیصلہ کُن حیثیت رکھتا تھا ۔ لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ امام عالی مقام اُس وقت اسلامی نظامِ حیات اور اسلامی نظامِ حکومت کی رُوح اور اُس کے مزاج میں ایک زبردست تغیر کے آثار دیکھ رہے تھے اور اسے روکنے کے لئے جدوجہد کو ضروری سمجھتے تھے ۔ حتّٰی کہ اس راہ میں جنگ کی نوبت بھی آ جائے تو اسے نہ صرف جائز بلکہ اُسے جہاد فی سبیل اللہ سمجھتے تھے ۔

وہ تغیر کیا تھا ؟ مذہب ایک تھا ، مُلکی قانون بھی شریعت کے مطابق تھا ۔ یہ بات بھی نہ تھی کہ ایک فاسق فاجر شخص حکمران بن بیٹھا تھا ۔ محض اس آدمی کا برسرِ اقتدار آ جانا بھی کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ اس کے ظالمانہ نظامِ حکومت کے بجائے صرف اس کے ذاتی کردار شرابی بدکار ہونے کو ہی واحد وجہ روکاوٹ سمجھا جاتا ۔ آپ نے اپنے خُطبات میں یزید کے ذاتی کردار کا کہیں بھی خُصوصی ذکر نہیں کیا ۔ وہ ایک غلط نظامِ حکومت مُسلّط کر دینے والے شخص کی مخالفت کر رہے تھے ۔ اگرچہ وہ ایک بد اطوار فاسق فاجر کو بلاشبہ مستحقِ خلافت نہیں سمجھتے تھے ۔ تاہم اصل مقصد ایک ظالم و مستبد حکمران کو ہٹانا تھا ۔

۸ ۔ محرم ۶۰ ھ کو مقامِ بیضاء پر جو آپ نے خُطبہ دیا ہے وہی آپ کے اس جہاد کی بنیاد تھا ۔ ہم جناب کے اس مجاہدانہ موقف سے متعلقہ خُطبہ کو یہاں پر نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

«اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ رَسُوْلَ اللہ ، صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ، قَالَ مَنْ رَّأیٰ سُلْطَانًا جَائِرًا مُسْتَحِلًّا حُرَمَ اللہِ نَاکِثًا لِّعَھْدِ اللہِ مُخَالِفًا لِّسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللہِ ، صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ، یَعْمَلُ فِیْ عِبَادِ اللہِ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ فَلَمْ یُغَیِّرْ مَا عَلَیْہِ بِفِعْلٍ وَّلَا قَوْلٍ کَانَ حَقًّا عَلَی اللہِ اَنْ یُّدْخِلَہٗ مُدْخَلَہٗ۔اَلَا وَاِنَّ ھٰؤُلَاءِ قَدْلَزِ مُوْاطَاعَۃَ الشَّیْطَانِ وَتَرَ کُوْاطَاعَۃَ الرَّحْمٰنِ وَاَظْھَرُوا الْفَسَادَ وَعَطَّلُوا الْحُدُوْدَ وَاسْتَاْثَرُوْا بِالْفَیْءِ وَاَحَلُّوْا حَرَامَ اللہِ وَحَرَّمُوْا حَلَالَہٗ ، وَاَنَا اَحَقُّ مَنْ غَیْرٍ ، وَقَدْ اَتَتْنِیْ کُتُبُکُمْ وَرُسُلُکُمْ بِبَیْعَتِکُمْ ، وَاَنَّکُمْ لَاتُسْلِمُوْنِیْ وَلَا تَخْذُلُوْنِیْ ، فَاِنْ تَمَمْتُمْ عَلٰی بَیْعَتِکُمْ تُصِیْبُوْارُشْدَ کُمْ ، وَاَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ وَابْنُ فَاطِمَۃَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ، نَفْسِیْ مَعَ اَنْفُسِکُمْ ، وَاَھْلِیْ مَعَ اَھْلِیْکُمْ ، فَلَکُمْ فِیَّ اُسْوَۃٌ ، وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَنَقَضْتُمْ عَھْدِیْ وَخَلَعْتُمْ بَیْعَتِیْ فَلَعَمْرِیْ مَاھِیَ لَکُمْ بِنَکِیْرٍ ، لَقَدْ فَعَلْتُمُوْھَا بِاَبِیْ وَاَخِیْ وَابْنِ عَمِّیْ مُسْلِمِ بْنِ عَقِیْلٍ ، وَالْمَغْرُوْرُمَنِ اغْتَرَّبِکُمْ ، فَحَظَّکُمْ اَخْطَاْتُمْ ، وَنَصِیْبَکُمْ ضَیَّعْتُمْ ، فَمَنْ نَکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَسَیُغْنِی اللہُ عَنْکُمْ ،

وَالسَّلَامُ"۱۔

"اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے ظالم، محرماتِ الٰہی کو حلال کرنے والے، اللہ کے عہد کو توڑنے والے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کی مخالفت کرنے والے اور اللہ کے بندوں پر گناہ اور زیادتی سے حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور اس نے اپنے فعل یا قول کے ذریعے سے غیرت کا اظہار نہ کیا تو اللہ کو حق ہے کہ اُسے اس بادشاہ کے ساتھ دوزخ میں داخل کرے۔ لوگو! خبردار ہو جاؤ۔ ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کر لی ہے اور رحمان کی اطاعت ترک کر دی ہے۔ انہوں نے ملک میں فتنہ و فساد پھیلا دیا ہے اور حدودِ الٰہی کو معطّل کر دیا ہے۔ مالِ غنیمت میں یہ لوگ اپنا حصّہ زیادہ لیتے ہیں۔ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام۔ اس لئے مجھے غیرت آنے کا زیادہ حق ہے۔ میرے پاس تمہارے خطوط آئے اور قاصد پہنچے کہ تم نے بیعت کر لی ہے، اور تم مجھے بے یارومددگار نہ چھوڑو گے۔ اگر تم اپنی بیعت پوری کرو گے تو راہِ راست پر پہنچو گے۔ مَیں حُسین ابن علی اور ابن فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ میری شخصیت تم لوگوں کے لئے نمونہ ہے۔ اور اگر تم ایسا نہ کرو گے اور اپنا عہد اور میری بیعت توڑ دو گے تو واللہ یہ بھی تمہاری ذات سے بعید اور تعجّب انگیز فعل نہ ہوگا۔ تم اس سے پہلے میرے باپ، میرے بھائی اور میرے ابنِ عمّ مُسلم کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو۔ وہ شخص فریب خوردہ ہے جو تمہارے دھوکے میں آگیا۔ تم نے اپنے فعل سے بہت بُری مثال قائم کی۔ جو شخص عہد توڑتا ہے، وہ اپنے ہاتھ سے اپنا نقصان کرتا ہے۔ عنقریب مجھے اللہ تمہاری امداد سے بے نیاز کر دے گا۔ وَالسَّلَام"۔۲

۱..... ابن اثیر۔ عزالدین ابوالحسن علی: الکامل فی التاریخ (جلد چہارم)۔ مطبوعہ دار صادر۔ بیروت ۱۳۹۹ھ۔ ۱۹۷۹ء۔ ص ۴۸

ابو جعفر محمد بن جریر۔ الطبری: تاریخ الامم والملوک (جلد ششم)۔ مطبوعہ دار القلم۔ بیروت۔ ص ۲۲۹

۲..... عمر ابو النصر۔ الحسینؓ۔ اردو ترجمہ: شیخ محمد احمد پانی پتی۔ مطبوعہ مکتبہ میری لائبریری۔ لاہور ۱۹۸۶ء۔ ص ۱۰۱۔ ۱۰۳

یزید کے لئے بیعت

تاریخ اسلام میں یزید کی ولی عہدی ایسا واقعہ ہے جس نے پہلی بار خلافت[1] علیٰ منہاجِ نبوت کے اُصولِ انتخاب سے انحراف کرتے ہوئے ملوکیت اور قیصریت کے استبدادی رُجحانات کو ہمارے سیاسی تصوّر میں داخل کیا ۔ نامزدگی فی نفسہ کوئی بُری شئے نہیں ، لیکن جب نامزدگی کے خلاف اسلامی شُورائیت کے علم بردار کُھلم کُھلا آواز بلند کریں تو اس سے صرفِ نظر کرنا اور مصلحتِ وقت کی خاطر قوتِ حاکمہ کا یک طرفہ فیصلہ کر دینا گُوناگوں مفاسد و فتن کے دروازے کھول دیتا ہے ۔ اگر اپنے جانشین کے انتخاب کے سِلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اختلافی نقطۂ نظر کو طے کرنے کے لئے شورٰیٔ عام کا اجلاس طلب کر کے کوئی فیصلہ کروا لیتے تو اُن کے کردار پر بعض حلقوں کی جانب سے جو آج شکوک و شُبہات کے تہ بہ تہ پردے پڑے ہوئے ہیں ، اس سے وہ نقی الثوب یعنی صاف سُتھرا لباس پہن کر بچ جاتے ۔ انہوں نے جب حضرت عبداللہ بن زبیر ، عبداللہ بن عمر ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور امام عالی مقام جناب حُسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سامنے ولی عہدی کا مسئلہ پیش کیا تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ آپ اس مسئلہ کو اعیانِ اُمت کے سپرد کر دیں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا جانشین منتخب نہیں کیا اسی طرح آپ بھی بلا انتخاب چھوڑ دیں ۔ امیر معاویہؓ نے جواب دیا کہ اُمتِ محمدیہ میں جناب صدیق اکبرؓ جیسی ہمہ صفت موصوف کوئی شخصیت اس وقت موجود نہیں ہے جس پر اجماع ہو سکے ۔ پھر کہا گیا کہ نامزدگی ہی کرنی ہے تو پھر سیّدنا صدیق اکبرؓ کا طرزِ عمل اختیار کرو کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کا نام تجویز کیا جو اُن کے خاندان اور قبیلہ سے تعلق نہیں رکھتا تھا ، اور پھر جب اُن کی نامزدگی کے بعد سیّدنا فاروقِ اعظمؓ کو ساری اُمّت نے قبول کر لیا اور اُن پر بیعتِ عامّہ بھی ہو گئی تو آپ اسی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے اُمتِ محمدیہ کے کسی بہترین فرد کو جو نہ تو آپ کے خاندان سے تعلق رکھتا ہو اور نہ قبیلہ سے ، اُسے سامنے لائیں ۔ اس پر امیر معاویہؓ نے جواب دیا کہ اس وقت سیدنا فاروقِ اعظمؓ جیسا کوئی شخص ہمارے سامنے موجود نہیں جسے میں نامزد کروں اور سب اُس کی اطاعت پر متفق ہو جائیں ۔ آپ کوئی اور صورت بتاؤ ۔ اس پر اُنہیں کہا گیا کہ آپ حضرت سیدنا

١...... خلافت ایک ایسی نیابتی حکومت ہے ۔ جس کی بنیاد کتاب و سنت پر ہو ۔ اور اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ جب تک خلیفہ کتاب و سنت کی پوری پوری پابندی کرتا رہے ۔ اس کی اطاعت اور فرماں برداری ضروری ہے ۔ مگر جب وہ آئین اسلام سے ہٹ جائے تو اسے خلیفہ رہنے کا کوئی حق نہیں ۔ وہ حکومت جس کی بنیاد جبر اور شخصیت پرستی پر ہو کبھی اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی ۔

فاروقِ اعظمؓ کی طرح ایک ایسی مجلسِ انتخاب مقرر کر دو جو اُمّت کے سر بر آوردہ اکابر پر مشتمل ہو۔ یہ کمیٹی اپنے میں سے بہترین فرد کو منتخب کر لے۔ اس کے جواب میں حضرت امیر معاویہ نے فرمایا کہ ایسے افراد پر مشتمل مجلسِ انتخاب کی تشکیل بے حد مشکل ہے۔ آپ حضرات موجودہ مخصوص حالات میں مجھے مشورہ دو۔۱

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اکابرِ اُمّت کے خیالات سُنے تو خاموش ہو گئے اور اس وقت یزید کی ولی عہدی کا اعلان نہ کیا۔ قبل ازیں بھی اُنہوں نے فرداً فرداً حضرت عبداللہ بن عبّاس، حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر سے مشورہ کیا۔ اُنہوں نے یزید کی ولی عہدی سے اتفاق نہ کیا۔ بلکہ عبداللہ بن زبیر نے تو خُطبۂ مسنونہ کے بعد امیر معاویہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

”اما بعد۔ بے شک یہ خلافت قریش ہی کے لئے مخصوص ہے جس کو اُنہوں نے اپنی تابندہ شرافتوں، پسندیدہ کارناموں اور اِسی کے ساتھ اپنے آباء کی بزرگی اور انبیاء کی عزّت و تکریم سے حاصل کیا۔ اے معاویہ! اللہ سے ڈر، اپنے آپ سے انصاف کر کہ عبداللہ بن عبّاس، رسول اللہ کے چچا کا بیٹا ہے اور مَیں (عبداللہ بن زبیر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پُھوپھی کا بیٹا ہوں۔ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے حسن اور حُسین کو چھوڑا ہے۔ اور تُو جانتا ہے کہ وہ دونوں کون ہیں اور کیا ہیں؟ اے معاویہ! اللہ سے ڈر کہ وہی آپ کے اور ہمارے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے“۔۲

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کی ولی عہدی کو مُسترد کرتے ہوئے امیر معاویہ کو جواب دیتے ہوئے خُطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا:

”اما بعد۔ ہماری خلافت ہرقل یا قیصر یا کسریٰ کی جانشینی نہیں ہے کہ بیٹوں کو باپوں سے ورثہ میں حاصل ہو جائے۔ اگر ایسا ہوتا تو اپنے باپ کے بعد مَیں ہی خلیفہ بنتا۔ لیکن قسم اللہ کی! مجھے اِس بنا پر ہی چھ اصحابِ شُوریٰ میں شامل نہیں کیا گیا کہ خلافت کسی شرط سے مشروط نہیں ہے۔ بلکہ وہ قریش میں سے خاص طور پر اُس کے لئے ہے جو اس کا اہل ہو، جس کو مسلمان اپنی طرف سے خلافت کے لئے منتخب کریں اور جو زیادہ پرہیز گار اور عوام کا پسندیدہ

۱..... علامہ اسلم جیراجپوری: تاریخ الامت (جلد سوم، خلافت بنی امیہ)، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام، لاہور ۱۹۷۵ء۔ طبع ثانی، ص ۳۵۔۳۶

۲..... محمد رضا مصری: الحسنؓ والحسینؓ، اردو ترجمہ: محمد وجیہ السماء عرفانی، مطبوعہ مکتبہ پاکستان، لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۹۶

ہو۔ پس اگر تُو قریش کے نوجوانوں کا ارادہ رکھتا ہے تو مجھے میری عمر کی قسم کہ یزید قریش کے نوجوانوں سے ہے اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ تیری کچھ بھی پروا نہیں کرے گا"۔ ۱

ان حضرات سے استصوابِ رائے کے وقت امیر معاویہ نے خُطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا تھا:۔

"امابعد۔ مَیں آپ کے سامنے ہوں، میری عمر بڑی ہوگئی ہے، میری ہڈیاں ڈھیلی پڑگئی ہیں اور میری موت قریب آگئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ مَیں جو دعوت دوں گا، وہ قبول کی جائے گی۔ مَیں چاہتا ہوں کہ اپنے بعد یزید کو تم پر خلیفہ بناؤں اور اس کے لئے تمہاری رِضامندی حاصل کرنا چاہتا ہوں کیونکہ تم عبادلۂ قریش اور اس قوم کے بہترین افراد ہو اور بہترین لوگوں کی اولاد ہو۔ مجھے حسن اور حُسین کو مدعو کرنے سے کسی چیز نے نہیں روکا مگر یہ کہ وہ علی کے فرزند ہیں۔ اِن دونوں کے متعلق میری رائے اچھی ہے اور مجھے دونوں کے ساتھ بڑی محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ امیرالمؤمنین کو بہتر جواب دو"۔ ۲

عبادلۂ اربعہؓ کے کلام پر معاویہؓ کی تعقیب

جب ان حضرات کی جانب سے یزید کی ولی عہدی کی تردید ہوگئی تو امیر معاویہؓ نے کہا:۔

"بے شک مَیں نے کہا اور تم نے بھی کہا اور حقیقت یہ ہے کہ باپ جا چکے ہیں اور اولاد بس باقی رہ گئی ہیں۔ میرا بیٹا یزید مجھے سب کے بیٹوں سے پیارا ہے۔ باوجود اس کے کہ اگر تم اس کے بارے میں تفتیش کرو تو اس میں کلام کی گنجائش پا سکتے ہو۔ خلافت کا یہ معاملہ بنی عبد مناف کے لئے تھا۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ گزر گیا تو لوگوں نے خلافت ابوبکرؓ و عمرؓ کو سونپی۔۔۔ ان دونوں کی عادات و سیرت بہت اچھی تھی۔ پھر خلافت، بادشاہی بنی تو عبد مناف کو لوٹی اور قیامت تک ان ہی میں رہے گی۔ اے ابن زبیر اور ابن عمر! تم دونوں کو اللہ

۱..... الحسنؓ والحسینؓ: ص ۹۷

۲..... ایضاً: ص ۹۲، ۹۳

تعالیٰ نے اس سے نکال دیا۔ رہے میرے چچا کے بیٹے تو وہ دونوں انشاءاللہ میرے حق میں رائے دینے سے گریز نہیں کریں گے"۔١

اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے اِن حضرات کو چلے جانے کا حکم دیا اور یزید کی بیعت کے ذکر سے اعراض کیا۔ پھر وہ ملکِ شام کو واپس چلے گئے اور بیعت کے معاملہ میں خاموش رہے۔٢

اکابر صحابہ عبادلۂ اربعہؓ کے علاوہ امیر معاویہؓ نے یزید کی ولی عہدی کے بارے اپنے گورنروں مغیرہ بن شعبہؓ، عمروبن العاصؓ، ضحاک بن قیس فہری، احنف بن قیس، عبدالرحمٰن بن عثمان ثقفی، عبداللہ بن سعد الفرازی، ثور بن معن سلمٰی اور عبداللہ بن عصام الاشعری سے رائے طلب کی۔ ان سب نے بجُز احنف بن قیس، یزید کی ولایت عہد کی تائید کی۔ احنف بن قیس نے مخالفت کی اور یہاں تک کہہ دیا:

"جان لے کہ تیرے لئے، اللہ کے پاس کوئی حُجت نہ ہوگی اگر تُو نے حسن اور حُسین پر یزید کو فوقیت دی جب کہ تو جانتا ہے کہ وہ کون ہیں"۔٣

اکابر صحابہ کی مخالفت کے باوجود امیر معاویہؓ نے یزید کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کر دیا اور اُسے وصیت کی کہ "میں نے تیرے لئے تمام راستے ہموار کر دیئے اور عرب کو تابع فرمان اور دشمنوں کو مغلوب بنا لیا۔ اہلِ حجاز کا خیال رکھنا کیونکہ وہی ہمارا گہوارہ ہے ـــــ اہلِ شام پر نظر رکھنا۔ یہ تیرے وفادار اور مددگار ہیں، دشمنوں کے مقابلہ میں اُنہیں سے کام لینا ـــــ خلافت کے معاملہ میں بجُز چار شخصوں کے مجھے اور کسی کا خوف نہیں ہے کہ وہ تیرے مقابلہ میں آئے۔ عبداللہ بن عمر، حُسین بن علی، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن٤ بن ابی بکر ـــــ حُسین بن علی سادہ مزاج ہیں۔ اہلِ عراق اُنہیں ضرور تمہارے مقابلے میں لا کر رہیں گے۔ اگر وہ تمہارے مقابلے میں آئیں اور تم کامیاب ہو جاؤ تو درگذر سے کام لینا۔ کیونکہ وہ ہمارے قریبی عزیز ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں، اُن کا ہم پر بڑا حق ہے" ـــــ عبداللہ بن زبیر کے لئے خصوصی تاکید کی کہ "اگر وہ مقابلے کرے اور تجھ کو اس پر دسترس ہو جائے تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ لیکن جہاں تک ممکن ہو، قوم کو عام خون ریزی سے بچانا"۔

١..... الحسنؓ والحسینؓ: ص٩٧،٩٨

٢..... ایضاً: ص٩٨ ٣..... ایضاً: ص٩١

٤..... عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ ٥٨ھ میں امیر معاویہؓ سے پہلے انتقال کر گئے۔

ابوزید عبد الرحمان ولی الدین المعروف بہ ابن خلدون (۷۳۲ھ - ۸۰۸ھ/۱۳۳۲ء-۱۴۰۶ء) نے یزید کی ولی عہدی کے سِلسلے میں لکھا ہے کہ حکومت کے لئے مدعیٔ اقتدار کے پاس دو صفات کا ہونا ضروری ہے ۔ اوّل اہلیّت و استحقاق اور دوّم مادّی تائید و حمایت ۔

امیر معاویہؓ کا شام میں کافی عرصہ تک گورنر رہنا ، اور پھر حضرت امیرالمؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے بعد بذریعہ مصالحت مابین معاویہ و حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) مستقل طور پر ساری مملکتِ اسلامیہ کا سربراہ بن جانے کی وجہ سے دمشق ہر لحاظ سے سیاست کا مرکز بن گیا تھا اور بنُو اُمیّہ ، اسلامی سلطنت میں اہم عہدوں پر تعینات کر دیئے گئے تھے جس کی وجہ سے ان کا اثر و رسوخ سارے عالمِ اسلام میں زبردست اہمیّت رکھتا تھا ۔ اس کے مقابلے میں حسنین کریمین کی زندگی عبادات ، ریاضات ، زہد و تقویٰ ، داد و دہش ، عطا و سخا میں بسر ہوتی رہی ۔ وہ نہ کسی صوبے کے گورنر بنے اور نہ ہی حکومت کے اندر کوئی عہدہ قبول کیا۔ نتیجتاً وہ عملی سیاسیات سے بے نیاز رہے ۔ بنابریں جہاں تک اہلیّت و استحقاق کا تعلق ہے ، وہ ہر لحاظ سے اعلیٰ مقام پر تھے ۔ یزید کا اُن سے اس باب میں کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا تھا ۔ مگر بقول ابن خلدون عصبیّت اور مادّی طاقت ________________ (Communal Sense or Material Power) ، بنُو اُمیّہ کے پاس رہنے کی وجہ سے امیر معاویہ کی جانب سے یزید کی نامزدگی کے لئے کافی گنجائش نکل سکتی تھی ۔ علاوہ ازیں دنیاوی علائق اور آلودگیوں نے لوگوں کو اعلیٰ رُوحانی قدروں کے معیار پر کسی کو پرکھنے کا جذبہ کمزور کر دیا تھا ۔ اِس لئے ملک میں اس نامزدگی کے خلاف کوئی تحریک نہ اُٹھی ۔ تاہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے گورنروں اور ہوا خواہوں کے مشورے پر اپنے بیٹے کو نامزد کرنا ایک ایسا اقدام تھا جسے کسی نے پسند نہ کیا ۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن اکابر صحابہ نے یزید کی نامزدگی کو مُسترد کیا تھا ، وہ میدان میں کیوں نہیں نکلے ۔ اُنہوں نے اُس عزم بالجزم اور متہورانہ جرأت کا مظاہرہ کیوں نہیں کیا ، جو حضرت امام حُسین رضی اللہ عنہ کی ذات سے ظلم اور جبر کے خلاف وجود میں آیا ۔ کیا یہ لوگ مقابلے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے یا کوئی مصلحتیں دامن گیر تھیں ۔ جہاں تک مَیں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے ، اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان حضرات کو اوّل تو کسی جانب سے قیادت کرنے کی دعوت نہیں ملی تھی ۔ دُوسرے حضرت امام عالی مقام نے اُن میں سے کسی کو اپنے ہمراہ لے جانے پر مجبور نہ کیا ۔ تیسرے یہ حضرات کوفیوں کی متلوّن مزاجی ، ابنُ الوقتی ، خود غرضی ، جاہ طلبی اور برسرِ اقتدار قوت سے نبرد آزما ہونے میں توقّف اور انجام و عواقب پر نظر رکھنے کی وجہ سے سیاسی بصیرت کی روشنی میں کوفیوں کے غدر و نفاق اور انحرافی خصلتوں

کی وجہ سے باہر نہ نکلے ۔ بلکہ امام عالی مقام کو کوفہ جانے سے روکا ۔ روکنے والوں میں عبدالرحمٰن بن حارث ، عبداللہ بن مطیع ، حضرت عمر بن عبدالرحمٰن ، حضرت عبداللہ بن عباس ، حضرت عبداللہ بن عمر ، حضرت عبداللہ بن زبیر ، حضرت ابو سعید خدری ، حضرت جابر بن عبداللہ ، حضرت ابوواقد لیثی ، حضرت عبداللہ بن جعفر طیار ، امام محمد[1] بن حنفیہ ، عمرو بن سعید حاکم مدینہ اور ان کے بھائی یحییٰ بن سعید کے اسماء گرامی سرِ فہرست ہیں ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک تاکید کی کہ "میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ اس ارادے سے باز آئیں اور اپنے آپ کو جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ ڈالیں ۔ اگر اہلِ عراق ، جیسا کہ اُن کا دعوٰی ہے آپ کے حامی اور مددگار ہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ شامی حاکم کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیں اور اپنے دُشمنوں کو وہاں سے نکال دیں ۔ اس صورت میں آپ بڑی خوشی سے وہاں تشریف لے جائیں ۔ لیکن اگر انہوں نے آپ کو ایسی حالت میں بلایا ہے کہ ان کا امیر موجود ہے ، اس کی حکومت قائم ہے اور اس کے عمال خراج وصول کرتے ہیں تو یقین جانیئے کہ انہوں نے آپ کو محض جنگ کے لئے بلایا ہے تاکہ آپ کو لڑائی میں جھونک دیں اور خود آپ کو دھوکہ دے کر بے یارومددگار چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں ، انہوں نے آپ کے والد اور بھائی سے بھی یہی سلوک کیا تھا"۔[2]

عبداللہ بن جعفرؓ نے مزید تاکید کرتے ہوئے مشورہ دیا ۔ "میں آپ کو اللہ کا واسطہ دلاتا ہوں کہ جُونہی میرا خط[3] آپ کو ملے ، آپ لوٹ آئیے کیونکہ جس جگہ آپ جارہے ہیں مجھے ڈر ہے کہ وہاں آپ کی ہلاکت اور آپ کے اہلِ بیت کی بربادی ہے ۔ اگر خدانخواستہ آپ ہلاک ہوگئے تو دُنیا تاریک ہو جائے گی ۔ کیونکہ اس وقت آپ ہی ہدایت یافتہ لوگوں کا علم اور مومنوں کی امیدوں کا مرکز ہیں ۔ آپ سفر میں جلدی نہ کیجئے ، مَیں بھی آپ کے پاس پہنچتا ہوں"۔[4]

۱..... حضرت محمد بن حنفیہ ، حضرت علی کے فرزند تھے ، مگر ان کی والدہ ، حضرت فاطمہؓ نہ تھیں ۔ حضرت علی مرتضیٰ ان سے محبت کرتے تھے ۔

۲..... الحسینؓ : ص ۸۸ ، آئینہ قیامت : ص ۱۷ ۔ ۱۸ ، الحسنؓ والحسینؓ : ۱۵۴ ۔

ابن کثیر ، البدایۃ والنہایۃ (جلد ۸) ، طبع ثانی مکتبہ المعارف ، بیروت ۱۳۹۴ھ : ۱۹۷۴ء ، اردو ترجمہ : ہدایت اللہ ندوی : شہیدؓ کربلا ، مطبوعہ میاں چنوں ۱۹۸۶ء ، ص ۲۸

۳..... یہ خط لکھنے کے بعد عبداللہ بن جعفر نے عمرو بن سعید امیر حرمین سے کہا کہ وہ بھی اپنی جانب سے ایک خط لکھ کر حضرت حسینؓ کو واپس بلالے ۔ چنانچہ یہ خط لکھا گیا جس میں آپ سے سفر عراق ملتوی کرنے کی التجا کرتے ہوئے ان کے ساتھ صلہ رحمی ، ہمدردی اور نیکی سے پیش آنے کا وعدہ کیا گیا ۔

۴..... الحسینؓ : ص ۹۰ ، الحسنؓ والحسینؓ : ص ۱۵۸ ، ۱۵۹

عبداللہ بن مطیع نے کہا "میں اسلام اور قریش کی حُرمت کے لئے آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اپنے اس ارادے سے باز آئیے ۔ اگر آپ نے خلافت کا دعویٰ کیا جو اس وقت بنُو اُمیّہ کے ہاتھ میں ہے تو آپ ضرور شہید کر دیئے جائیں گے ۔ اگر بنُو اُمیّہ نے آپ کو شہید کر دیا تو آپ کے بعد وہ کسی سے بھی ڈرنے والے نہیں ۔ اس طرح قتل و غارت کا ایک لامتناہی سِلسلہ شروع ہو جائے گا"۔ ۱

امامِ عالی مقامؓ کا مُسکت جواب

عبداللہ بن جعفر جب گورنر مدینہ کا خط (امان نامہ) لے کر حضرت حُسینؓ کے پاس پہنچے ۔ اُنہوں نے اسے پڑھا اور پڑھ کر فرمایا :

"مَیں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے ۔ آپ نے مجھے ایک کام کرنے کا حکم دیا ہے ۔ مَیں وہ کام ضرور انجام دوں گا ۔ خواہ اُس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو"۔

عبداللہ بن جعفر نے پوچھا ۔ وہ کام کیا ہے ؟

آپ نے جواب دیا :

"وہ نہ مَیں نے کسی کو بتایا ہے اور نہ بتاؤں گا ۔ جب تک اپنے ربّ کے حضور میں حاضر نہ ہو جاؤں"۔ ۲

اب یہاں یہ امر خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ آج تک نہ تو کسی مؤرّخ نے ، نہ کسی وقائع نگار نے ، نہ کسی عالمِ دین نے اور نہ کسی مجتہد اور نہ کسی شیعہ محقّق نے بتایا ہے کہ وہ خواب کیا تھا ؟ وہ کیسے بتا سکتے تھے جب امام عالی مقامؓ نے یہ شرط عاید کر دی کہ مَیں تا قیامِ قیامت کسی کو اس راز سے آگاہ نہیں کروں گا ۔

مَیں نے بھی اس مسئلہ پر بہت غور کیا اور سیدالشّہداءؓ کے سفرِ عراق جاری رکھنے کے لئے میرے پاس کوئی دلیل موجود نہ تھی اور تمام مؤرّخین کی طرح اسی نقطۂ نگاہ کا حامِل ہوگیا کہ جب

۱......الحسینؓ: ۹۳، شہید کربلاء: ص ۳۴، آئینہ قیامت: ص ۱۲، ۱۳

۲......اردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد ۸)، مطبوعہ دانش گاہ پنجاب، لاہور ۱۳۹۳ھ: ۱۹۷۳ء، ص ۳۲۷

آئینہ قیامت: ص ۱۸، شہید کربلاء: ص ۳۷، ۴۵

آقائے دو جہاں ، سرورِ انس و جاں ، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنے لختِ جگر سیّدِ شبابِ اہلِ جنّت کو ایک کام کرنے کا حکم دیا ہے اور اُس کی تکمیل کے لئے جامِ شہادت نوش کرنے کا بھی اشارہ کر دیا ہے تو ہمیں اس کی جُستجو کرنے اور وجہ دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔ لیکن ایک دن اچانک میری نگاہ حضرت امام کے خُطبۂ مقامِ بیضاء (۸ محرم ۶۰ھ) پر پڑ گئی ۔ مَیں نے اسے پڑھا اور بین السطور میں حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی تو یکایک مذکورہ خُطبہ میں پیش کردہ یہ حدیث

"منْ رأی سلطانًا جائرًا مستحلاً لحُرم اللہ ناکثًا لعہد اللہ مخالفًا لسنۃ رسول اللہ ، صلی اللہ علیہ و سلم ، یَعمل فی عباداللہ بالِاثم والعُدوان فلم یغیّر ما علیہ بفعلٍ ولا قول کان حقًا علی اللہ أن یُدْخلہ مُدخلہ" (جو کوئی ایسے حاکم دیکھے جو ظُلم کرتا ہے ، خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے ، عہدِ الٰہی کو شکست کرتا ہے اور خدا کے بندوں پر بھی گناہ و سرکشی سے حکومت کرتا ہے اور دیکھنے پر بھی نہ تو اپنے فعل سے اس کی مخالفت کرتا ہے نہ اپنے قول سے ، تو خدا کو حق ہے کہ اُسے بھی اس حکمران یا بادشاہ کے ساتھ دوزخ میں داخل کرے) جب سامنے آئی تو تمام مشکلات حل ہو گئیں اور پتہ چل گیا کہ جب حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ و سلم اپنے لختِ جگر کو ظُلم و جبر کے خلاف صف آرا ہونے اور خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کی خصوصیّات کے تحفّظ کا حکم دے رہے ہیں تو پھر دُنیا کی کوئی طاقت انہیں نہیں روک سکتی تھی ۔ علم الیقین اور حق الیقین کی منزلیں طے کرنے کے بعد جب وہ عین الیقین تک پہنچ گئے اور "ذات راہ بے پردہ دیدن زندگیست" کے اسرار و رمُوز سے آگاہ ہو گئے تو پھر اُنہیں کون روک سکتا تھا۔

معترض سوال کر سکتا ہے کہ جب آپ کو امام مُسلم بن عقیلؓ کے پیغام کی حامِل عبدالرحمٰن بن اشعث کی تحریر مل گئی اور محبِّ اہلِ بیت شاعر فرزدق کا بھی دو ٹوک جائزہ معلوم ہو گیا تو پھر آپ آگے کیوں چلے گئے ۔ بے شک آلِ مُسلم قصاص کے لئے اصرار کر رہے تھے اور جان دینے کے لئے تیار ہو گئے تھے تو آپ نے انہیں کیوں نہ سمجھایا ۔ اس کا جواب آسان ہے ۔ اوّل تو وہ آلِ عقیل کے مطالبۂ قصاص کو پُوری پُوری اہمیّت دیتے تھے ۔ دُوسرے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ و سلم کی سپرد کردہ ڈیوٹی سرانجام دینا اپنا مقدّس مشن سمجھتے تھے ۔

امام عالی مقام کی کوفہ روانگی اور باوجود اکابرِ اُمت اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے اس سفر سے روکنے کے لئے نہایت ہی وزنی دلائل پیش کرنے کے وہ مدینۃ المنورہ سے مکۃ المکرمہ اور پھر وہاں سے کوفہ کی طرف کیوں چلے گئے ۔ اس کے بعد جو مصائب و آلام اُنھیں ، اُن کے عمِ زاد مسلم بن عقیل ، مخلص مُتبعین کو اُن کے ہوا خواہوں کے مشوروں اور التجاؤں کو مُسترد کرنے کی وجہ سے پیش آئے ، اس کی بابت مؤرخین نے کلام کیا ہے ۔ بعض نے کھلم کھلا اور بعض نے دبی زبان سے تنقید کی ہے ۔ خوارج اور ناصبیوں نے تو اس اقدام کو خروج اور بغاوت کا نام دیا[1] ۔ بعض نے نادانی اور عاقبت نا اندیشی کا الزام لگایا ہے اور بعض نے ان کے مجموعی طرزِ عمل کو مجتہدانہ رائے زنی کے ساتھ ساتھ ظلم و جبر کے خلاف اسے جہاد کا نام دیا ۔ جامعہ مصر کے استاذ التاریخ اور "تاریخ الامم الاسلامیہ" کے مصنف محمد خضری بک (۱۲۸۹ھ - ۱۳۴۵ھ / ۱۸۷۲ء - ۱۹۲۷ء) نے ناقدانہ انداز اختیار کرتے ہوئے لکھا ہے :

"یہ اس غمگین واقعہ کی انتہائی صُورت ہے ۔ یہ حادثہ وہ ہے جو سوچ سمجھے اور تیاری کئے بغیر ظہور میں آیا ۔ کیونکہ حُسینؓ نے اپنے سب مشیروں کی رائے ٹھکرا دی اور اہلِ عراق کے متعلق حُسنِ ظن قائم کر لیا ۔ حالانکہ وہ اس کے باپ کے ساتھی تھے اور اس کا باپ اس سے بہتر تھا ۔ اس کی لوگوں میں بہت زیادہ عزت تھی اور پھر لوگوں کی گردنوں پر اس کی بیعت کا پٹہ بھی تھا ۔ اس کے باوجود انہوں نے ان کو کچھ نفع نہیں دیا تھا ۔ حتٰی کہ انہوں نے زندگی کے اخیر میں ان سے علیٰحدگی کی خواہش کی ۔ لیکن حُسینؓ کی تو انہوں نے بیعت بھی نہیں کی تھی اور پھر عراق میں یزید کے عمّال اور امراء موجود تھے ۔ اس لئے حُسینؓ بعض فتنہ پردازوں اور شرپسندوں کے خطوں پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے اہل و اولاد کو اُٹھا کر ایک ایسی قوم کی طرف چل دیئے ، جن کا کوئی عہد ہی نہیں ہے ۔ اور دیکھو کہ جس گروہ نے اُن سے جنگ کی وہ کیسے مرتّب ہُوا ؟ وہ سارا لشکر عراقیوں ہی کا تھا اور حد یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو شیعانِ علی کہتے تھے ۔ بہر حال حُسینؓ نے اِس خروج میں بڑی خطا کی ہے جس نے ساری اُمت کو لپیٹ میں لے لیا ہے اور تفرقہ و اختلاف رونما ہو گیا ۔ اِس سے الفت کا ستون ایسے زور سے ہل گیا کہ آج تک ہل رہا ہے ۔ بہت سے لوگوں نے اس حادثہ پر کتابیں

۱..... ناصبی فرقہ (جو بغض علی کو دین قرار دیتا ہے) ۔ جس کو بنیاد اہل بیت کی عداوت پر ہے ۔ اس رائے میں اتنا انتہاپسند واقع ہوا ہے ۔ کہ وہ یزید کو امیر المومنین یزید رحمتہ اللہ علیہ اور سیدنا امام حسینؓ کو باغی کہتا ہے ۔

لکھیں ، مگر سب نے اسی ارادہ سے لکھیں کہ دلوں میں نفاق کی آگ اور زیادہ بھڑکے ۔ چنانچہ ان سے وہ دُوری اور سخت ہو گئی ۔

اس معاملہ کی غایت یہ ہے کہ اس شخص نے اپنی حکومت بنانا چاہی جو اس کے لئے تیار نہ ہوئی اور نہ اس کا لشکر اس کے لئے کافی تھا۔ چنانچہ اس کے اور اس کی خواہش کے درمیان رو کاوٹ پیدا ہو گئی اور وہ اپنے دُشمن سے قتل ہو گیا ۔ اس سے پہلے انہوں نے اس کے باپ کو بھی قتل کر ڈالا ۔ لیکن کسی لکھنے والے کے قلم نے ان کے قتل کے معاملہ کو بدمزہ نہیں بنایا اور نہ اس کی وجہ سے عداوت کی آگ اور زیادہ بھڑکی ہے ۔ آخر سب کے سب اپنے رب کے پاس چلے گئے اور جو کچھ انہوں نے کیا ، اس کے لئے ان کا حساب لیا جائے گا ۔

(نتیجتاً) تاریخ اس سے یہ عبرت لیتی ہے کہ جو شخص بڑے کاموں کا ارادہ رکھتا ہو اسے حسبِ حال اپنا لشکر لئے بغیر نہیں چل دینا چاہئے اور نہ تلوار اُٹھانی چاہئے جب تک اس کے ساتھ اتنی قوت نہ ہو جو اس کی کامیابی کی کفالت کر سکے یا کم از کم اس کے قریب کی قوت نہ ہو ۔ یہ نہایت ضروری تھا کہ اُمّت کی بہتری کے لئے حقیقی اسباب مہیا ہوں ، کیونکہ یہاں ظلم بالکل ظاہر تھا جو برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا اور سخت ظلم جسے کرنے کے لئے لوگوں کو تیار کیا جاتا تھا۔ حُسینؓ نے یزید کی مخالفت کی ، حالانکہ لوگوں نے یزید کی بیعت[1] کر لی تھی اور مخالفت کے اظہار کے وقت اس سے ظلم و تشدد ظاہر نہیں ہُوا تھا"۔[2]

ہم نے اس قسم کے تمام اعتراضات کا مختصراً جواب تحریر کر دیا ہے ۔ تاہم تاریخ الامم الاسلامیہ کے مصنّف کی جانب سے پیدا کردہ شکوک و شُبہات کے ازالہ کے لئے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حادثۂ کربلا کی بابت جو لوگ اعتراض کرتے ہیں اور اپنے عقلی پیمانوں سے نتائج

۱..... "یزیدیوں نے جب یزید کی امامت وخلافت کا علم بلند کیا تو اہل حق کے مقابل میں انہوں نے یہی دلیل پیش کی تھی کہ سارے ملک نے یزید کی امامت تسلیم کر لی ، اجماع ہو گیا۔ صرف چار شخص ہیں جو اس کی امامت کو تسلیم نہیں کرتے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عمر اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اب وہ اجماع جو یزید کی امامت پر ہوا تھا کیسا خائب و خاسر ہوا۔ باوجود اس کے کہ میدان کربلا میں یزیدیوں نے بعد شہادت شہزادہ کونین سیدنا امام حسین علیہ السلام فتح کے نقارے بھی بجائے، دودمان نبوت کو جس طرح چاہا اسیر کیا۔ لیکن آج دنیا دیکھ رہی ہے کہ یزیدیوں پر خدا نے ایسی لعنت بھیجی کہ آج تک اس کا سلسلہ نہ منقطع ہوا نہ قیامت تک منقطع ہو..."

(النور از سید محمد سلیمان اشرف، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۱ء، ص ۲۲۷ و ۲۲۸)

۲..... تاریخ الامم الاسلامیہ بحوالہ محمد رضا مصری: الحسنؓ والحسینؓ: ص ۲۵۵۔ ۲۵۶۔

مرتب کرتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ سارا حادثہ عقل و عشق کی ابدی آویزش سے پیدا ہُوا ہے۔
حکیمُ الُامّت نے سرِ حادثۂ کربلا میں عقل و دل کی کشمکش کو یُوں واضح کیا ہے ؎

عقل را سرمایہ از بیم و شک است　　عشق را عزم و یقیں لاینفک است
آں کند تعمیر تاویراں کند　　ایں کند ویراں کہ آباداں کند
عقل میگوید کہ خود را پیش کن　　عشق گوید امتحانِ خویش کن[1]

اور

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصوّرات![2]

میں رازِ عشق کو بے حجاب کر دیا۔

پہلی چیز جو مخالفین و موافقین دونوں کے پیشِ نظر رہنی چاہئے، وہ یہ ہے کہ اسلامی سلطنت میں صدقِ مقال اور آزادیٔ گفتار وُہ بنیادی انسانی حق ہے جو کسی وقت بھی معطّل نہیں ہوتا۔ امام عالی مقام اسلامی نظریۂ سیاست کو پیش کرنے کے لئے آزاد ماحول کے متلاشی تھے اور اپنے نقطۂ نگاہ کی تائید و حمایت کے لئے ہر جگہ سے رفقاء و معاونین تلاش کرنا چاہتے تھے۔ حرمین شریفین کے اکابرِ اُمّت اور اعزا و اقارب نے کوفہ جانے سے روکا، بلانے والوں کی منافقت اور بے ضمیری سے آگاہ کیا۔ لیکن حُریّتِ کاملہ کے لئے ان کے موقف سے کوئی اختلاف نہیں کیا اور نہ ہی ہمراہ جانے پر آمادگی ظاہر کی۔ دُوسری طرف سیّدالشّہداء امام عالی مقام نے ان میں سے کسی کو رفاقت پر مجبور نہیں کیا۔ اس طرزِ عمل سے مخلصانہ مشورہ دینے والے برملا دعوتِ حق دینے کے پابند نہ رہے اور نہ ہی امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کے پیچھے رہ جانے پر کسی قسم کا اعتراض کیا۔ ہم عام زندگی میں دیکھتے ہیں بلکہ ملک کی کئی سیاسی تحریکوں میں اس کا تجربہ کیا ہے کہ جس جگہ سے کسی مبلّغ، خطیب یا داعی الی الحق کو لوگ اپنے ہاں یہ کہہ کر آنے کی دعوت دیں کہ ہمارا کوئی امام اور راہبر نہیں اور نہ ہی موجودہ مشکل حالات میں کوئی نجات دہندہ ہے۔ خدا کے لئے ہمارے ہاں تشریف لائیے۔ ہماری دستگیری کیجئے اور ظلم و جبر اور طُغیان و فساد کی قوّتوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے ہماری قیادت کیجئے تو ہر صاحب دل، صاحبِ بصیرت جری اور غیرت مند سیاسی اور مذہبی راہنما کا فرضِ منصبی بن جاتا ہے کہ وہ اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے توصیہ بالحق اور توصیہ بالصبر کی

۱۔ اسرار و رموز (اسرار خودی و رموز بے خودی): ص ۱۲۵، ۱۲۶

۲۔ بالِ جبریل، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۷۵ء۔ اشاعت بیسویں، ص ۱۱۲

ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو۔

میری اپنی ذاتی سیاسی زندگی میں ایسے کئی مواقع پیدا ہوئے جب کہ مجھے نظریۂ پاکستان کی تبلیغ و اشاعت کے لئے جانا پڑا۔ بعض جگہ ایسے تلخ تجربات بھی ہوئے کہ مجمع میری تقریر سُننے کے بجائے مخالفت، مزاحمت اور ہاتھا پائی پر اُتر آنا چاہتا تھا۔ لیکن مَیں نے اللہ کے فضل و کرم سے مخالفین کے شکوک و شبہات، مطاعن و اعتراضات کے ایک ایک نکتے کو مجمع کے سامنے پیش کیا، اُن کے دلائل بھی گنوائے اور پھر سب کا ایک ایسا مُسکت اور دنداں شکن جواب دیا کہ وہی مجمع جو دنگہ اور فساد پر آمادہ ہو چکا تھا یک لخت ہمنوا بن گیا۔ صداقت خود ایک بڑی طاقت ہے۔ اب ذرا سیدنا امام عالی مقام کے گردو پیش پر نگاہ ڈالیں اور ماحول کو سامنے رکھیں تو آپ خودبخود اس امر کے قائل ہو جائیں گے کہ آپ کا کوفیوں کی دعوت پر روانہ ہو جانا کتنا ضروری تھا۔ کوفیوں نے جو ہزارہا خطوط تحریر کئے، اُن میں سے مندرجہ ذیل خط کا مطالعہ کرنے کے بعد بتائیے کہ ایسے خطوط کو نظرانداز کرنا کتنی بڑی سیاسی، مذہبی اور اخلاقی فروگذاشت تھی۔

یہ خط سلیمان بن صرد خزاعی، مسیّب بن نجیہ، رفاعہ بن شداد بجلی، حبیب بن مظاہر، عبداللہ بن وال اور اُن کے مومن مددگاروں کی جانب سے بذریعہ عبداللہ بن مسمع ہمدانی اور عبداللہ بن وال، حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ پھر دو راتوں کے بعد (۱۲ رمضان المبارک ۶۰ھ کو) اُنہیں دُوسری بار ایک سو پچاس خطوط لکھے۔ تیسری دفعہ بھی لاتعداد خطوط لکھ کر حضرت امام حُسینؓ کے وہاں آنے پر اصرار کیا۔ خطوط لکھنے والوں میں مندرجہ بالا اشخاص کے علاوہ شبیث بن ربعی، حجاز بن ابجر، قیس بن اشعث، زید بن الحارث، یزید بن رویم، عروہ بن قیس، عمرو بن الحجاج، عبداللہ بن شداد، عمارہ بن عبداللہ سلولی، عبدالرحمان بن عبداللہ، ہانی بن ہانی سبیعی، سعید[1] بن عبداللہ الحنفی، محمد بن یحییٰ اور محمد بن عمیرا التمیمی وغیرہ کے نام بھی شامل ہیں۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حُسین بن علی امیر المؤمنین کے نام

"اللہ آپ پر سلامتی نازل فرمائے، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کے اس دُشمن کو موت کی نیند سُلا دیا ہے جو انتہائی سرکش اور ظالم تھا، جس نے اُمت کا نظام درہم برہم کر دیا اور لوگوں کی مرضی کے خلاف اُن پر حکومت کی۔

---

[1]...... دعوتی خطوط لکھنے والوں میں سے حضرت سعید بن عبداللہ حنفی علیہ الرحمہ میدان کربلا میں امام حسینؓ کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

اُمت کے نیک لوگوں کو شہید کیا اور شرپسندوں کو ساتھی بنایا، اللہ کا مال ساتھیوں اور رشتہ داروں میں بے دریغ لٹایا۔ ہم بغیر امام کے ہیں۔ آپ تشریف لائیں تاکہ آپ کی مدد سے ہم حق پر جمع ہو جائیں۔ امیرِ کوفہ نعمان بن بشیر سرکاری محل میں ہے، اس کے پیچھے نہ ہم جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں نہ عید کی۔ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو ہم اُسے شام کی حدود میں دھکیل دینگے۔ والسلام علیک و رحمتہ اللہ و برکاتہ یا ابن رسول و علیٰ ابیک من قبلک۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"۔[1]

ان خطوط کے بعد ایک اور خط لکھا جو یہ تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الی الحسین بن علی من شیعۃ من المؤمنین والمسلمین،
اما بعد۔ فقد اخضرت الجنات وانیعت الثمار واعشبت الارض واورقت الاشجار فاذاشئت فاقبل علی جندلک مجندۃ۔ والسلام۔
یعنی بوستان ہاسبز وریان گشت و میوہ ہابر سید و زمین گیاہ برویانید و درختان برگ بر آورند، وقت است کہ اقبال فرمائی بجانب سپاہی کہ بہر خدمت تو تجہیز شدہ[2]"

"زمین سر سبز ہو چکی ہے، پھل پک چکے ہیں، آپ کی مدد کے لئے لشکر تیار ہے"[3]

۱...... الحسینؑ: ص ۵۵، الحسنؑ و الحسینؑ: ص ۱۴۵

۲...... محمد تقی میرزا اسپہر، لسان الملک، ناسخ التواریخ (جلد ششم، حسین بن علی)، مطبوعہ انتشارات امیر کبیر، قم۔ ص ۱۶۸

۳...... الحسینؑ: ص ۵۶، شہید کربلا: ص ۱۳

قابلِ غور پہلو

یہاں پر یہ نکتہ انتہائی قابلِ غور ہے کہ خطوط لکھنے والے اور بصد اصرار و تکرار کوفہ میں آنے کی دعوت دینے والے تمام کے تمام اہلِ شیعہ تھے ۔ اُن لوگوں نے آپ کو بُلایا اور پھر بُزدلانہ اور نامردانہ کردار کا ثبوت دیتے ہوئے نہ صرف اپنے ارسال کردہ دعوت ناموں سے منحرف ہو گئے بلکہ یزیدیوں کے ساتھ مِل کر میدانِ کارزار میں آپ کے مقابلے میں صف آرا ہو گئے [1] ۔ یہ بیان کسی عام مؤرخ کا نہیں بلکہ شیعہ مذہب کی معتبر کتب ناسخ التّواریخ (ج ۶/ص ۱۶۸-۱۶۹) ، مصنّفہ لسان الملک میرزا محمّد تقی سپہر (متوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) اور جلاءُ العیُون مؤلفہ مُلّا محمّد باقر مجلسی اصفہانی (متوفی ۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء) میں مرقوم ہے کہ امام عالی مقام کے پاس شیعہ مومنین کے بارہ ہزار خطوط پہنچے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ جلد از جلد کوفہ تشریف لے آئیں ۔ مسندِ خلافت آپ کے لئے خالی ہے ۔ شیعہ مومنین کے اموال اور اُن کی گردنیں آپ کے لئے حاضر ہیں ۔ سب کے سب آپ کے منتظر اور مشتاقِ دید ہیں ۔ آپ کے سوا ہمارا کوئی امام اور پیشوا نہیں ہے ۔ آپ کی مدد کے لئے یہاں لشکر مہیّا و حاضر ہے ۔ نعمان بن بشیر ، حاکمِ کوفہ دارُالامارت میں بیٹھا ہے ۔ ہم اُس کے ساتھ جمعہ و عید بن کی نمازیں پڑھنے نہیں جاتے ۔ جب آپ تشریف لائیں گے تو ہم اُس کو کوفہ سے نکال دیں گے ۔

مندرجہ بالا سطور میں اگرچہ ان خطوط کا خلاصہ مذکور ہو چکا ، لیکن ان کی اہمیّت کے پیشِ نظر ہم "جلاءُ العیُون" کی طبع جدید سے دو خطُوط کو من و عن نقل کر رہے ہیں ۔ (ناسخ التّواریخ میں بھی یہی مضمون موجود ہے ۔)

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایں نامہ ایست بسوی حسین بن علیؑ از جانب سلیمان بن صرد خزاعی و

---

[1] حوادث کربلاء پر ایک طائرانہ نظر سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اہل شام یزید کے خلاف تھے اور امام حسینؓ کو برحق مانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل شام نے حسین کے خلاف نبرد آزما ہونے سے احتراز کیا۔ (شاہ شہیداں: ص ۱۰۲)

مصر کے فاضل محقق محمد رضا اپنی تصنیف "الحسنؓ والحسینؓ" میں رقمطراز ہیں کہ امام حسینؓ کے مخالف لشکر کے تمام مقتولین کوفی تھے۔ ان میں کوئی شامی (یا حجازی) نہیں تھا۔ (الحسنؓ والحسینؓ: ص ۲۲۸)

مسیب بن نجیہ و رفاعہ بن شداد بجلی و حبیب بن مظاہر و سایر شیعیان او از مؤمنان و مسلمانان اہل کوفہ

سلام خدا بر تو باد و حمد میکنیم خدارا بر نعمت ہای کاملہ او برما و شکر میکنیم اورا بر آنکہ ہلاک کرد دشمن جبار معاند ترا کہ بے رضای امت برایشان والی شد و بجور و قہر بر آنہا حاکم گردید و اموال ایشانرا بناحق تصرف نمود و نیکان را بقتل رسانید و بدانرا بنیکان مسلط گردانید و اموال خدارا برمالداران و جباران قسمت نمود پس خدا اورا لعنت کند چنانچہ قوم ثمود را لعنت کرد بدانکہ ماذر این وقت امام و پیشوائی نداریم بسوی ما توجہ نما و بشہرما قدم رنجہ فرما کہ ماہمگی مطیع توئیم شاید حق تعالیٰ حق را ببرکت تو برما ظاہر گرداند و نعمان بن بشیر حاکم کوفہ در قصر الامارۃ نشستہ است در نہایت مذلت و بجمعہ او حاضر نمی شویم و درعیدبا او بیرون نمیرویم چون خبر برسد کہ شمامتوجہ این صوب شدہ اید اورا از کوفہ بیرون میکنیم تا باہل شام ملحق گردد ۔ والسلام"۔ ۱

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

این عریضہ ایست بخدمت حسین بن علی
از شیعیان وفدویان و مخلصان آنحضرت

اما بعد ۔ بزودی خود را بدوستان و ہوا خواہان خود برسان کہ ہمہ مردم این ولایت منتظر قدوم مسرت لزوم تو اند و بسوی غیر تو رغبت نمی نمایند البتہ بتعجیل تمام خود را بایں مشتاقان ہست بام برسان ۔ والسلام"۔۲

اب بارِ ثبوت اہلِ تشیّع پر ہے کہ امام عالی مقام کے خلاف غدرو نفاق کا اظہار کس نے کیا ۔ کیا وہ سب اہلِ تشیّع نہیں تھے ؟ جنہوں نے آپ کو مدینہ منوّرہ سے کوفہ آنے کی دعوت دی اور پھر آپ کو میدان کربلا میں شہید کر دیا۔ ہم یہاں پر یزید ، ابن زیاد ، ابن سعد اور شمر لعین جیسے پلید انسانوں کی فہرستِ جرم میں کسی قسم کی رعایت کرنا نہیں چاہتے بیگانوں سے شکوہ جوانمردی کے خلاف ہے ۔ البتہ جب اپنے ہی دشمنوں کے آلۂ کار بن جائیں تو مصیبت کی زہرہ گدازیاں بڑھ جاتی ہیں ۔ بقول شاعر ؎

۱...... جلاء العیون، مطبوعہ انتشارات علیہ اسلامیہ، مطبوعہ جنب نوروز خان، ایران، ص ۳۵۶

۲...... ایضاً: ص ۳۵۷

آپ کہتے ہیں پرایوں نے کیا ہم کو تباہ
بندہ پرور کہیں اپنوں ہی کا یہ کام نہ ہو

جب حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں پے در پے اہلِ کوفہ کے ہزارہا خطوط پہنچنے شروع ہوئے تو آپ نے اہل الرائے اصحاب سے مشورہ کے بعد ہانی بن ہانی سُبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی کے ہاتھ اہلِ کُوفہ کو مندرجہ ذیل خط لکھا:

"اما بعد ـ جو کچھ تم نے لکھا ہے ـ مَیں نے سمجھا ہے ـ مَیں تمہاری طرف اپنے بھائی، اپنے چچا کے بیٹے اور اہلِ بیت میں اپنے معتمد ساتھی مسلم بن عقیل کو بھیج رہا ہوں ـ مَیں نے اس کو حکم دیا ہے کہ وہ مجھے تمہارے حالات اور تمہارے تمام امور سے خط لکھ کر مطلع کرے ـ کیونکہ مجھے لکھا گیا ہے کہ تم میں سے ایک بڑا گروہ اور تمام عقلمند اس رائے پر متفق ہیں جس کا میری طرف تمہارے بھیجے ہوئے خطوط میں ذکر کیا گیا ہے ـ مَیں جلد ہی تمہارے پاس آرہا ہوں ـ مَیں اپنی عمر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کتابُ اللہ کے عامل، انصاف پر قائم رہنے والے اور دینِ حق پھیلانے والے کے سوا کسی کو حکومت کرنے کا حق نہیں ـ والسلام"ـ ۱

ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مقامِ صفاح پر پہنچے تو یہاں پر مشہور محبِ اہلِ بیت شاعر فرزدق ملا، آپ نے اُس سے عراق کے حالات دریافت کئے ـ اُس نے جواب دیا:

"لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں ـ لیکن تلواریں بنُو اُمیّہ کے ساتھ ہیں ـ قضاءِ الٰہی آسمان سے اترتی ہے، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے"ـ ۲

مقامِ ثعلبیہ میں پہنچ کر امام حُسینؓ کو محمد بن اشعث کی تحریر اور مسلم بن عقیلؓ کے قتل کی خبر ملی ـ اس خط میں آپ کو کوفہ آنے سے منع کیا گیا۔ یہ موقعہ ایسا تھا کہ آپ سفر منقطع کر کے واپس آجاتے لیکن ایسا نہ ہُوا ـ آپ آگے بڑھے چلے گئے ـ ایک تو آپ امام مُسلم کا قصاص لینا چاہتے تھے ـ دُوسرے اہلِ کوفہ کو دوبارہ دعوتِ حق دے کر ظلم و جبر کے خلاف جنگ آزما ہونے کی دعوت دینا چاہتے تھے ـ انہیں یقین کامل تھا کہ اہلِ کوفہ کو نہ صرف

۱...... الحسنؓ والحسینؓ: ص ۱۴۶، تاریخ الامت (جلد سوم): ص ۴۴

۲...... الحسینؓ: ص ۹۰، آئینہ قیامت: ص ۱۹، الحسنؓ والحسینؓ: ص ۱۵۸

اپنے موقف سے ہمنوا بنا لیں گے ۔ بلکہ امام مُسلم کے مظلومانہ قتل کے قصاص کے لئے بھی تیار کر لیں گے ۔ اس لئے سفر جاری رکھا ۔ تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حُر بن یزید تمیمی یربوعی نے جبل ذی حشم کے مقام پر حضرت امام کو روکا تو آپ نے اُس کے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے بعد حمد و ثنا فرمایا :

"اے لوگو ! مَیں تمہارے پاس از خود نہیں آیا بلکہ میرے پاس تمہارے خطوط پہنچے اور تم نے اپنے قاصدوں کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ ہمارا کوئی امام نہیں ، شاید اللہ آپ کے ذریعے سے ہمیں ہدایت اور حق پر مجتمع کر دے ۔ اب مَیں آ گیا ہوں ۔ اگر تم عہد و میثاق کر کے مجھے پورا اطمینان دلا دو تو مَیں تمہارے شہر چلوں ، لیکن اگر تم لوگ ایسا نہیں کرتے بلکہ میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو مَیں جہاں سے آیا ہوں وہیں لوٹ جاؤں گا"۔ ۱

اس کے بعد حُر بن یزید تمیمی اور امام حُسینؓ کے درمیان کئی بار اُن کے مقصدِ آمد پر گفتگو ہوئی ۔ نماز بس بھی امام عالی مقام کے ساتھ پڑھتے رہے ۔ نماز کے بعد آپ نے حُر کے لشکر کو خطاب بھی فرمایا اور خطوط اور قاصدوں کی آمد و رفت کا تذکرہ کیا ۔ حُر نے لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا کہ "ہم نے یہ خط آپ کو نہیں لکھے ، ہم آپ کے ساتھ ساتھ رہیں گے اور آپ کو عبیدُاللہ بن زیاد کے پاس کوفہ لے جائیں گے"۔

المختصر حُر نے آپ کو ایک طرف نکل جانے کا رستہ بھی دیا ، مگر وہ ساتھ ساتھ رہا ۔ ایسا مرحلہ بھی آیا کہ جب آپ حُر کے لشکر سے لڑ بھڑ کر راستہ نکال سکتے تھے مگر آپ نے اس راہ کو اختیار نہ کیا ۔ کیونکہ آپ صرف خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت یعنی نظامِ مصطفےٰ کا مفصّل نقشہ پیش کرنا چاہتے تھے اور سامعین کو دلائل و براہین سے قائل کرنا چاہتے تھے ۔ اس لئے مخالفین سے جنگ نہ کی ، اس وقت تک آپ کا پُختہ خیال تھا کہ یہ لوگ حق و صداقت کی آواز کو قبول کر لیں گے ۔ مگر ایسا نہ ہُوا حتّٰی کہ عَمرو بن سعد اپنا لشکر لے کر مقابلے میں آگیا ۔ اُس سے بھی امرِ معلومہ کی بابت تبادلۂ خیالات ہُوا ، وہ امام عالی مقام کی تین شرطوں یعنی :

(۱) جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلے جائیں ۔

(۲) دُوسرے مسلمانوں کی کسی ایسی سرحد پر جہاں ہم چاہیں چلے جائیں۔

(۳) تیسرے یزید کے پاس جا کر خود اُس سے اپنا معاملہ طے کر لیں ۔

۱...... الحسینؓ : ص ۹۹ ۔ تاریخ الامت (جلد سوم) : ص ۵۱

محمد شفیع اوکاڑوی : شامِ کربلاء ۔ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۔ لاہور ۱۹۸۷ء ۔ اشاعت چہارم ۔ ص ۹۲

میں سے کسی ایک کو تسلیم کر لے۔

ابن سعد نے ان شرائط کی معقولیت سے ابن زیاد، گورنرِ کوفہ کو آگاہ کیا۔ اُس نے ان شرائط کو پسند کیا[1] مگر شمرِ لعین کے اغوائے شیطانی سے اُس کی نیّت بدل گئی اور نوبت براہِ راست تصادم تک پہنچ گئی۔

یہاں پر بھی معترضین کہہ سکتے ہیں کہ ایک طرف تو آپ یہ کہتے ہو کہ امام عالی مقام اپنے نانا جان نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق باطل کے مقابلے میں پوری قوت کے ساتھ صف آرا ہو کر جہاد کرنا چاہتے تھے۔ پھر یکایک مذکورہ بالا سہ گانہ شرائط پر کیوں آ گئے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ امام عالی مقام اوّل سے لے کر آخر تک داعی الی الحق تھے، امن و سلامتی کے پیغام بر تھے اور تمام مسائل کو پُر امن ماحول میں طے کرنا چاہتے تھے۔ واپس جانے کی شرط اس لئے پیش کی کہ جن لوگوں نے بلایا تھا، وہی میدانِ جنگ میں صف آرا ہیں، اُنہیں کسی امام کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے اُس ظالم شخص کی بیعت کر لی ہے جو محرماتِ الٰہی کو حلال کرتا ہے، اللہ کے عہد کو توڑتا ہے، سُنّتِ رسولؐ کی مخالفت کرتا ہے اور اللہ کے بندوں پر ظُلم و زیادتی سے حکومت کر رہا ہے۔ اُس نے فتنہ و فساد پھیلا دیا ہے، حدودِ الٰہی کو معطّل کر دیا ہے اور بیتُ المال کو اپنے اور اپنے دوستوں کی ذاتی جائداد بنا لیا ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان کو ساتھ لے کر دشمن کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا امن و سلامتی کے ماحول میں پوری تیاری کے لئے وقفہ حاصل کرنا چاہئے اور مدینۃ الرّسول صلی اللہ علیہ وسلم میں واپس جا کر اپنے اعوان و انصار، احباب و رفقاء، اعزّا و اقارب اور اکابرِ ملّت کے مشورہ سے ایک جامع منصوبہ بندی کے ذریعے نظامِ مصطفٰے کے نفاذ کے لئے پروگرام مرتّب کیا جائے۔ اس شرط کے نامنظور ہونے پر دُوسری شرط یہ پیش کی کہ مجھے اسلامی سرحد پر جانے دو تاکہ وہاں جہاد فی سبیل اللہ کے مواقع حاصل کر سکوں اور رضائے الٰہی و رضائے رسولؐ کے لئے ساز گار ماحول تلاش کر لوں۔ یہ پہلو بھی ارشادِ نبوّت کی تعمیل کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اب سب سے بڑا اعتراض یہ باقی رہ جاتا ہے کہ آپ نے یہ شرط کیوں پیش کی کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو تاکہ مَیں اُس سے اپنا معاملہ طے کر سکوں، بلکہ یہاں پر بھی دعوت الی الحق عام کرنے کے لئے اور خاص طور پر حاکمِ وقت کو اپنے منشور کا قائل کر سکوں اور پھر ایک ذہنی و فکری انقلاب کی راہ ہموار کر کے ایک ظالمانہ نظام کو عادلانہ شکل دے دوں۔

۱..... آئینہ قیامت: ص ۲۶

ہم سمجھتے ہیں کہ امام عالی مقام کا یزیدیوں کے سامنے یہ شرائط پیش کرنا قوم کو خانہ جنگی، قتل و غارت اور کُشت و خُون سے بچانا مقصود تھا اور ایک پُرامن ماحول میں خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کے لئے سربراہِ مملکت کو ہمنوا بنانے کے بعد سارے ملک میں اس انقلاب کو عام کرنا چاہتے تھے۔

افسوس ہے کہ امن و سلامتی کے دُشمنوں اور ایمان و عرفان کے بدخواہوں نے ایسا نہ ہونے دیا۔ بلکہ شمر مردود نے ابن زیاد کو صُلح اور سلامتی کے راستے سے ہٹا کر تباہی بربادی، برادر کُشی اور ہلاکت انگیزی کی راہ پر ڈال دیا۔ ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو ایک انسانیت سوز، ذلّت آمیز اور سنگدلانہ شقاوت اور بربریّت کا حامل مندرجہ ذیل خط ارسال کیا:

"میں نے تمہیں اس لئے نہ بھیجا تھا کہ تم حُسین کو ڈھیل دیتے جاؤ اور اُن کے متعلق سفارشیں بھیجتے چلے جاؤ۔ تم حُسین اور ان کے ساتھیوں سے بلا شرط ہتھیار ڈالنے کے لئے کہو، اگر وہ مان جائیں تو ان سب کو میرے پاس حفاظت اور سلامتی سے بھیج دو۔ اور اگر انکار کریں تو ان پر حملہ کر دو اور انہیں قتل کر کے ان کا مثلہ کر دو۔ کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں۔ حُسین کے قتل کے بعد ان کی لاش گھوڑوں سے روند ڈالنا کیونکہ وہ باغی ہیں۔ جماعت میں تفرقہ ڈالنے والے ہیں، ظالم ہیں۔ اگر تم نے ہمارے احکام کی تعمیل کی تو ہم تمہیں بیش قرار انعامات سے نوازیں گے اور اگر یہ کام تم سے نہ ہو سکے تو فوج کو شمر بن ذی الجوشن کے حوالے کر کے تم الگ ہو جاؤ، والسّلام"۔۱

جب شمر نے ابن زیاد کا خط لا کر دیا تو ابن سعد نے اُسے پڑھ کر کہا:۔

"تمہارا بُرا ہو اور جو چیز تم میرے پاس لائے ہو اُس کا بھی بُرا ہو! واللہ! معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ مَیں نے ابن زیاد کو لکھا تھا تمہیں نے اُسے اِس کے قبول کرنے سے روکا ہے۔ ہمیں صُلح کی اُمید تھی لیکن تم نے ہمارا کام بگاڑ دیا۔ واللہ! حُسینؓ کبھی ہماری اطاعت اور فرماں برداری قبول نہ کریں گے کیونکہ اُن کے پہلو میں ایک خوددار دِل ہے"۔۲

ہم نے ابن سعد کا یہ قول اس لئے درج کیا ہے کہ امام عالی مقام کے بدترین دُشمن

۱۔۔۔۔۔ الحسینؓ: ص ۱۱۳، آئینہ قیامت: ص ۲۶، شام کربلاء: ص ۱۱۳۔ ۱۱۴۔

عباس محمود العقاد: ابوالشہداء الحسین بن علی، اردو ترجمہ: عطا حسین: شاہ شہیداں، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۲ء، ص ۹۵

۲۔۔۔۔۔ الحسینؓ: ص ۱۱۳، آئینہ قیامت: ص ۲۷

بھی اُن کی جرأت ، مردانگی ، عزیمت ، استقامت اور غیرتِ مومنانہ کے قائل تھے ، وہ بھی جانتے تھے کہ امام حُسین رضی اللہ عنہ غیر مشروط بیعت نہیں کریں گے ۔

یہ چیز بھی پیشِ نظر رہے کہ جب موت سامنے نظر آرہی تھی اور دُشمن شرافت ، انسانیت کی ہر صفت سے عاری ، بے حیائی اور بے حمیتی پر تُل گیا تھا تو ایسے عالَم میں تصادم اور قتال سے بچنے کا راستہ کیوں نہ سوچا گیا اور کیوں اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال دیا ۔ اس کا جواب کوئی عام آدمی نہیں دے سکتا ۔ صرف وہی شخص موت کے خطرے کا مقابلہ کر سکتا ہے جسے حق و صداقت کی خاطر قتل ہو جانا حیاتِ جاوداں نظر آتا ہو ۔ دُوسرے وہ اپنی شخصیت ، روایات اور تاریخی جدّوجُہد کے تعلق میں مستقبل کی تاریکیوں میں کوہ شگاف عزم اور آفاق گیر ایمان اور عرفان کے نُور سے اپنے قلب کو منوّر کر چکا ہو ۔ تیسرے اسے اس امر کا یقین کامل ہو کہ موت حق ہے ، اس کا وقت معیّن ہے اور یہ ایک پُل[1] ہے جسے عبور کر کے مردِ مومن معشوقِ حقیقی کی گلی میں داخل ہو جاتا ہے ؎

مرگِ مومن چیست ؟ ہجرت سوئے دوست !
ترکِ عالم ، اختیارِ کوئے دوست[2] !

امام عالی مقام ، آپ کے جگر گوشوں ، بھتیجوں ، بھانجوں ، افرادِ اہلِ بیت اور دوسرے محبّانِ اہلِ بیت کے قافلے نے ہزارہا دُشمنوں کے سامنے جس بے مثال اور لازوال ایثار و قربانی اور استقامت و عزیمت کا مظاہرہ کیا ہے ، تاریخ اُس کی مثال پیش نہیں کر سکتی ۔

نویں محرم کو جب آپ نے اپنے رفقاء کو فرمایا کہ "دُشمن صرف میرے درپئے آزار ہے ، مَیں چراغ بُجھا دیتا ہوں ۔ رات کی تاریکی میں تم یہاں سے نکل جاؤ"۔ سب نے جواب دیا کہ "ہم آپ پر قربان ہو جائیں گے ۔ آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتے ۔ خدا کی قسم ! ہم آپ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑیں گے"۔ محبّت میں فنا ہونے اور محبّ کی حیثیت سے قربانی دینے سے بڑھ کر اخلاص کا کوئی درجہ نہیں ۔ اخلاص کی انتہا تو اپنے آپ کو اعلیٰ مقصد کے لئے فنا کر دینا ہے ، جس کا اجر ہمیشہ باقی رہتا ہے اور اِس سے بقائے دوام کی سند ملتی ہے ۔ الغرض رفقائے حُسینؓ کے جان نثارانہ کلمات ایسے ہیں جن پر بے اختیار یہ شعر

۱...... اشارہ بحدیث اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ

ع...... موت جسر موصل آمد سوی یار

۲...... جاوید نامہ: ص۲۱۸

زبان پر آجاتا ہے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

شُہدائے کربلا کا تذکرہ تا قیامِ قیامت عزم و استقامت کے ساتھ ساتھ ایمان اور عرفان کی وجد آفریں کیفیات ہر سُننے والے اور ہر پڑھنے والے کے قلب میں پیدا کرتا رہے گا۔ حکیمُ الاُمّت کا یہ ارشاد :؎

گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر ! مرگِ پُورِ مرتضےٰؓ چیزے دگر![1]

اور

بہرِ حق درخاک و خوں غلطیدہ است پس بنائے لا الہ گردیدہ است[2]؎

اس بے مثل و بے مثال جذبۂ سرفروشی پر دال ہے۔

اس باب میں ہم حضرت مُسلم بن عقیلؓ کی شہادت کے تذکرے میں یہ پہلو خاص طور پر واضح کریں گے کہ جب موت سامنے نظر آرہی ہو، دُشمن ہر لحظہ شہ رگِ حیات قطع کرنے پر تُلا بیٹھا ہو، جلّاد شمشیر بُراں لے کر سر پر کھڑا ہو۔ اِس ماحول میں خونخوار، بداطوار، ناہنجار اور بدسرشت دُشمن سے گفتگو کرتے وقت ہوش و حواس کو برقرار رکھنا، دُشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمۂ حق بلند کرنا اور موت سے ہم آغوش ہونے کے لئے تکبیر، استغفار اور درود شریف سے رطب اللّسان رہنا صرف خاصانِ خدا، مردانِ وفا اور دُودمانِ اہلِ بیت کا ہی شیوہ ہو سکتا ہے۔ ابنِ زیاد نے کہا :۔

"اے ابنِ عقیل! لوگ آپس میں متحد و متفق تھے۔ تم نے آکر لوگوں میں تفرقہ ڈالا اور بھائیوں کو بھائیوں سے لڑا دیا۔ آخر تم نے یہ کام کِس مقصد سے کیا"؟

مُسلم نے جواب دیا :

"جو کچھ تم کہتے ہو، غلط کہتے ہو۔ مَیں ہرگز اس مقصد سے نہیں آیا۔ کوفہ والوں کا خیال تھا کہ تمہارے باپ (زیاد بن سمیّہ) نے ان کے بزرگوں اور نیک لوگوں کو قتل کیا، ان کا خُون بہایا اور اپنے عہد میں قیصر و کسریٰ کی روایات تازہ کر دیں۔ ہم یہاں آئے تاکہ عدل و انصاف قائم کریں اور لوگوں کو کتاب و سُنّت کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیں"۔

۱۔۔۔۔۔ جاوید نامہ : ص۲۱۸ ۲۔۔۔۔۔ اسرار و رموز۔ ص ۱۲۷

ابن زیاد نے کہا۔ "کہاں تم اور کہاں کتاب و سُنّت کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت! اللہ مجھے تباہ کرے اگر میں تمہیں اس طرح قتل نہ کروں کہ زمانۂ اسلام میں آج تک اور کسی کو اس طرح قتل نہ کیا گیا ہو"۔

مُسلم نے جواب دیا: واقعی اسلام میں بدعتیں پیدا کرنے کے تم سب سے زیادہ حقدار ہو۔ خیانت اور کمینگی میں تمہارا کوئی ثانی نہیں"۔ ۱

اِس پر ابن زیاد اور مُسلم میں تلخ کلامی شروع ہو گئی۔ آخر میں ابن زیاد نے بکیر بن حمران الاحمری کو حکم دیا کہ مُسلم کو محل کی چھت پر لے جائے اور وہاں اُن کی گردن اڑا دے۔ چنانچہ بکیر انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔ مُسلم برابر تکبیر، استغفار اور درود شریف پڑھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

"اے اللہ! ہمارے اور اس قوم کے درمیان تو خود ہی فیصلہ فرما جس نے ہمیں دھوکہ دیا اور جس نے ہمیں جھٹلایا"۔ ۲

دُوسرا واقعہ حضرت امام عالی مقام کے قاصد قیس بن مُسہّر الصیداوی کے شوقِ شہادت سے پیدا ہونے والی جرأت، بیباکی، مردانگی اور بے مثال غیرتِ ایمانی کا ہے۔ یہ حضرت امام حُسینؓ کا خط لے کر کوفہ روانہ ہوئے، جب وہ قادسیہ پہنچے تو حصین بن نمیر نے انہیں پکڑ کر عُبیداللہ بن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ ابن زیاد نے خط پڑھا اور انہیں حکم دیا:

"محل کی چھت پر چڑھ جاؤ اور کذّاب بن کذّاب حُسین کو گالیاں دو"۔

قیس چھت پر چڑھ گئے اور کہا:

"اے لوگو! یہ حُسین بن علیؓ کا خط ہے جو رسولؐ اللہ کی بیٹی فاطمہؓ کے فرزند اور مخلوق میں بہترین آدمی ہیں۔ میں ان کا قاصد ہوں جو تمہارے پاس آیا ہوں۔ وہ حاجر تک پہنچ چکے ہیں، تم ان کی دعوت قبول کرو"۔ ۳

یہ کہہ کر انہوں نے ابن زیاد اور اُس کے باپ پر لعنت بھیجی اور حضرت علیؓ کے لئے استغفار کی۔

ابنِ زیاد یہ دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ قیس کو چھت پر سے نیچے

۱..... الحسینؓ: ص ۸۲. شام کربلاء: ص ۶۷. الحسنؓ والحسین: ص ۱۷۶۔۱۷۸.
جلال الدین.. احمد امجدی: خطبات محرم. مطبوعہ کتب خانہ امجدیہ. براؤں شریف۔ انڈیا ۱۹۸۸ء. ص ۳۶۷

۲..... الحسینؓ: ص ۸۳. شہید کربلاء: ص ۲۴. شام کربلاء ص ۶۸

۳..... الحسین: ص ۹۲. شاہ شہیداں: ص ۸۵۔۸۶

پھینک دیا جائے ۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور مُستکم کے بعد اسی محل میں قیس کو بھی جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔[1]

موت جب سامنے منڈلا رہی ہو اور کوئی راستہ چھٹکارے کا نظر نہ آتا ہو اُس وقت مردانہ وار موت کا مقابلہ کرنا ، یہ سبق اگر سیکھنا ہے ، امام عالی مقام سے سیکھو ۔ اُنہی کی پاکیزہ شہادت ہر مبلغِ اسلام ، داعی الی الحق اور مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے ہمیشہ اطمینانِ قلب اور میدانِ جہاد میں قوتِ محرکہ ثابت ہو گی ۔ راقم الحروف امام عالی مقام کے غلاموں کا ادنیٰ غلام ہونے پر فخر کرتا ہے ۔ آپ کی شہادت نے ہمیشہ ہر مصیبت کے اندر میرے لئے زبردست اطمینان و سکون کا سامان فراہم کیا ہے ۔ ۱۹۶۲ء کے انتخابات میں الیکٹورل کالج (Electoral College) یعنی رائے دہندگان ممبرانِ یونین کاؤنسل تھے۔ سارے ضِلع میانوالی کو نیشنل اسمبلی کے لئے ایک حلقہ مقرر کیا گیا تھا ۔ ممبرانِ یونین کاؤنسل کو خطاب کرنے کے لئے ضِلع بھر میں دو اجتماعات بمقام داؤد خیل اور بھکر منعقد ہوئے تھے ۔ بھکر میں ممبران یونین کاؤنسل کے خطاب کے بعد داؤد خیل میں عیسٰی خیل اور میانوالی دونوں تحصیلوں کے ممبرانِ یونین کاؤنسل کو یکجا خطاب کرنا تھا ۔ میرے مقابلے میں گورنر ملک امیر محمد خان (م ۔ ۱۹۶۷ء) کا لڑکا ملک مظفر الیکشن لڑ رہا تھا ۔ اُس موقعہ پر گورنر صاحب کالا باغ میں مقیم تھے ۔ داؤد خیل میں میرے خطاب کے مقررہ وقت پر یہ سازش تیار کی گئی تھی کہ جُونہی مَیں اجتماع کو خطاب کرنے کے لئے اٹھوں گا ، مجھے ایک اجرتی قاتل مسمّیٰ حبیبہ ، سکنہ لکی مروت کے ذریعے قتل کرا دیا جائے گا۔ اُس قتل کے عوض اس کے بیٹے کی سزائے موت منسوخ کر دی جائے گی ۔ اُسے پچیس ہزار نقد کے علاوہ ایک نہری مربع انعام میں دیا جائے گا ۔ تاریخ اجتماع سے ایک روز قبل جلسہ گاہ کے متصل مکان میں جب حبیبہ چولہے کی چہار دیواری کے ساتھ بیٹھ کر نشانہ معیّن کر رہا تھا تو گھر کی عورتوں کو اُس کا یہ سارا کِردار مشکوک نظر آیا اور انہیں کے ذریعے خفیہ طور پر یہ بات ہم تک پہنچی کہ آج مولانا نیازی مجمع کو خطاب کرتے ہوئے جُونہی برادرنِ ملّت کہے گا اُسے گولی کا نشانہ بنا کر ختم کر دیا جائے گا اور یُوں کالا باغ کے بیٹے کے لئے بلا مقابلہ کامیابی کا راستہ ہموار کر دیا جائے گا ۔

---

[1] آئینہ قیامت ، ص ۲۰ ، شام کربلاء ، ص ۸۷

صبح سویرے جب مَیں اپنے مکان سے جلسہ گاہ واقع داؤد خیل (جو میانوالی سے پچیس میل دور تھی) کے لئے روانہ ہونے لگا تو مجھے اس سازش کی تفصیلات سے آگاہ کیا گیا۔ احباب و اعزا کا مشورہ تھا کہ مَیں دانستہ موت کے منہ میں نہ جاؤں۔ لیکن اُس وقت میرے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد آگیا کہ "موت تیری محافظ ہے، جب اُس نے آنا ہے آ کر رہے گی اور جب نہیں آنا تو دنیا کی کوئی طاقت اسے مُسلّط نہیں کر سکتی"۔ اس کے ساتھ ہی امام مُسلمؓ کی شہادت اور امام حُسینؓ کے قاصد کی دردناک، زہرہ گداز اور جگر پاش موت کی اطلاع کے باوجود حضرت امام عالی مقام کا ارادۂ سفر کو ملتوی نہ کرنا میرے لئے ایک زبردست مشعلِ راہ ثابت ہُوا اور مَیں اسی وقت داؤد خیل روانہ ہوگیا۔ یہ عجیب اتفاق ہُوا کہ جب مَیں شہر میں داخل ہُوا تو تقریبًا دو ہزار مسلمانوں نے میرا استقبال کیا اور میرے ساتھ ایک جلوس کی صورت میں جلسہ گاہ کی طرف چل پڑے۔ مخالفین کی سازش کو اس جلوس نے بے اثر بنا دیا۔ اب انہوں نے کوشش کی کہ مجھے راستے میں قتل کر دیں۔ چنانچہ نواب کالاباغ کا ملازم خاص مسمّیٰ نُورا، جبیبہ مذکور کو لے کر جلوس کی طرف بڑھا۔ چونکہ مَیں جلوس کے وسط میں آ رہا تھا، اِس لئے وہ نشانہ نہ بنا سکے۔ جلسہ درہم برہم ہوگیا۔ ہم نے ایک طرف اپنے احباب کو جمع کر کے اپنا منشور ایک دوسرے علیحدہ جلسہ میں پیش کیا۔ یُوں اللہ تعالیٰ نے محض میرے عزمِ توکل علی اللہ، سیدنا علی المرتضیٰؓ کے ارشاد مقدّس پر یقین کامل اور اُسوۂ شبیری کی راہبری اور راہنُمائی کے مشترکہ تأثر نے دشمنوں کو خائب و خاسر کیا اور مجھے مع اپنے رفقاء عزّت و وقار سے ہمکنار کیا۔ جب نُورا مع جبیبہ مذکور جلوس کی طرف بڑھ رہا تھا تو اُس وقت میرے رفقاء دائیں بائیں مکانوں کی چھتوں پر مسلّح ہو کر مورچہ بند ہو گئے تھے۔ اس طرح ایمانی جوش کے ساتھ ساتھ اجتماعی قوت کا بھی مظاہرہ ہُوا۔[1]

اِس ساری تفصیل سے خودستائی مقصود نہیں ــــ مَیں سیدالشُّہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں کا ایک ادنیٰ غلام ہونے کو بھی اپنے لئے باعثِ صد عزّت و افتخار سمجھتا ہوں۔ یہ داستان مَیں نے اس لئے بیان کی ہے کہ ہم شہادتِ امام عالی مقام کے تذکرے کو محض اظہارِ غم تک محدود نہ رکھیں۔ بلکہ اسے اپنی زندگی کو روحانی عظمتوں سے متّصل کرنے کے لئے ہر قدم مینارِ نُور سمجھیں۔

مَیں نے جہاں اصحابِ حُسینؓ، اولادِ حُسینؓ، امام مُسلمؓ، قاصدِ امام عالی مقامؓ کا تذکرہ کیا ہے، ضروری سمجھتا ہوں کہ ابن زیاد اور یزید کے سامنے سیّدہ طاہرہ جناب زینب سلام اللہ علیہا کی بیباکی، جرأت، بے خوفی اور فلک شگاف ایمانی قوّت کا بھی تذکرہ کر دوں۔

---

1 ... ہوتا ہے جادہ پیما (قلمی مسودہ)۔ محمد عبدالستار خان نیازی

پھینک دیا جائے ۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور مُستلم کے بعد اسی محل میں قیسؔ کو بھی جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔[1]

موت جب سامنے منڈلا رہی ہو اور کوئی راستہ چھٹکارے کا نظر نہ آتا ہو اُس وقت مردانہ وار موت کا مقابلہ کرنا ، یہ سبق اگر سیکھنا ہے ، امام عالی مقام سے سیکھو ۔ اُنہی کی پاکیزہ شہادت ہر مبلّغِ اسلام ، داعی الی الحق اور مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے ہمیشہ اطمینانِ قلب اور میدانِ جہاد میں قوّتِ محرکہ ثابت ہو گی ۔ راقم الحروف امام عالی مقام کے غلاموں کا ادنیٰ غلام ہونے پر فخر کرتا ہے ۔ آپ کی شہادت نے ہمیشہ ہر مصیبت کے اندر میرے لئے زبردست اطمینان و سکون کا سامان فراہم کیا ہے ۔ ۱۹۶۲ء کے انتخابات میں الیکٹورل کالج (Electoral College) یعنی رائے دہندگان ممبرانِ یونین کاؤنسل تھے۔ سارے ضِلع میانوالی کو نیشنل اسمبلی کے لئے ایک حلقہ مقرر کیا گیا تھا ۔ ممبرانِ یونین کاؤنسل کو خطاب کرنے کے لئے ضِلع بھر میں دو اجتماعات بمقام داؤد خیل اور بھکر منعقد ہوئے تھے ۔ بھکر میں ممبران یونین کاؤنسل کے خطاب کے بعد داؤد خیل میں عیسیٰ خیل اور میانوالی دونوں تحصیلوں کے ممبرانِ یونین کاؤنسل کو یکجا خطاب کرنا تھا ۔ میرے مقابلے میں گورنر ملک امیر محمد خان (م ۔ ۱۹۶۷ء) کا لڑکا ملک مظفر الیکشن لڑ رہا تھا ۔ اُس موقعہ پر گورنر صاحب کالا باغ میں مقیم تھے ۔ داؤد خیل میں میرے خطاب کے مقررہ وقت پر یہ سازش تیار کی گئی تھی کہ جُونہی مَیں اجتماع کو خطاب کرنے کے لئے اٹھوں گا ، مجھے ایک اجرتی قاتل مسمّیٰ جبیبہ ، سکنہ لکی مروت کے ذریعے قتل کرا دیا جائے گا۔ اُس قتل کے عوض اس کے بیٹے کی سزائے موت منسوخ کر دی جائے گی ۔ اُسے پچیس ہزار نقد کے علاوہ ایک نہری مربع انعام میں دیا جائے گا ۔ تاریخ اجتماع سے ایک روز قبل جلسہ گاہ کے متصل مکان میں جب جبیبہ چولہے کی چہار دیواری کے ساتھ بیٹھ کر نشانہ معیّن کر رہا تھا تو گھر کی عورتوں کو اُس کا یہ سارا کِردار مشکوک نظر آیا اور انہیں کے ذریعے خفیہ طور پر یہ بات ہم تک پہنچی کہ آج مولانا نیازی مجمع کو خطاب کرتے ہوئے جُونہی برادرنِ ملّت کہے گا اُسے گولی کا نشانہ بنا کر ختم کر دیا جائے گا اور یُوں کالا باغ کے بیٹے کے لئے بلا مقابلہ کامیابی کا راستہ ہموار کر دیا جائے گا ۔

1۔ آئینہ قیامت ۔ ص ۲۰ ۔ شام کربلاء ۔ ص ۸۷

صبح سویرے جب مَیں اپنے مکان سے جلسہ گاہ واقع داؤد خیل (جو میانوالی سے پچیس میل دور تھی) کے لئے روانہ ہونے لگا تو مجھے اس سازش کی تفصیلات سے آگاہ کیا گیا ۔ احباب و اعزا کا مشورہ تھا کہ مَیں دانستہ موت کے منہ میں نہ جاؤں ۔ لیکن اُس وقت میرے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد آگیا کہ "موت تیری محافظ ہے ، جب اُس نے آنا ہے آ کر رہے گی اور جب نہیں آنا تو دنیا کی کوئی طاقت اسے مُسلّط نہیں کر سکتی" ۔ اس کے ساتھ ہی امام مُسلمؓ کی شہادت اور امام حُسینؓ کے قاصد کی دردناک ، زہرہ گداز اور جگر پاش موت کی اطلاع کے باوجود حضرت امام عالی مقام کا ارادۂ سفر کو ملتوی نہ کرنا میرے لئے ایک زبردست مشعلِ راہ ثابت ہُوا اور مَیں اسی وقت داؤد خیل روانہ ہوگیا ۔ یہ عجیب اتفاق ہُوا کہ جب مَیں شہر میں داخل ہُوا تو تقریباً دو ہزار مسلمانوں نے میرا استقبال کیا اور میرے ساتھ ایک جلوس کی صورت میں جلسہ گاہ کی طرف چل پڑے ۔ مخالفین کی سازش کو اس جلوس نے بے اثر بنا دیا ۔ اب انہوں نے کوشش کی کہ مجھے راستے میں قتل کر دیں ۔ چنانچہ نواب کالاباغ کا ملازم خاص مسمّیٰ نُورا ، جبیبہ مذکور کو لے کر جلوس کی طرف بڑھا ۔ چونکہ مَیں جلوس کے وسط میں آ رہا تھا، اِس لئے وہ نشانہ نہ بنا سکے ۔ جلسہ درہم برہم ہوگیا ۔ ہم نے ایک طرف اپنے احباب کو جمع کر کے اپنا منشور ایک دوسرے علیٰحدہ جلسہ میں پیش کیا ۔ یُوں اللہ تعالیٰ نے محض میرے عزمِ توکّل علی اللہ ، سیدنا علی المرتضیٰؓ کے ارشاد مقدّس پر یقین کامل اور اُسوۂ شبّیری کی راہبری اور راہنمائی کے مشترکہ تأثر نے دشمنوں کو خائب و خاسر کیا اور مجھے مع اپنے رفقاء عزّت و وقار سے ہمکنار کیا ۔ جب نُورا مع جبیبہ مذکور جلوس کی طرف بڑھ رہا تھا تو اُس وقت میرے رفقاء دائیں بائیں مکانوں کی چھتوں پر مسلّح ہو کر مورچہ بند ہو گئے تھے ۔ اس طرح ایمانی جوش کے ساتھ ساتھ اجتماعی قوّت کا بھی مظاہرہ ہُوا ۔[1]

اِس ساری تفصیل سے خودستائی مقصود نہیں ـــــ مَیں سیدالشُّہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں کا ایک ادنیٰ غلام ہونے کو بھی اپنے لئے باعثِ صد عزّت و افتخار سمجھتا ہوں ۔ یہ داستان مَیں نے اس لئے بیان کی ہے کہ ہم شہادتِ امام عالی مقام کے تذکرے کو محض اظہارِ غم تک محدود نہ رکھیں ۔ بلکہ اسے اپنی زندگی کو روحانی عظمتوں سے متّصل کرنے کے لئے ہر قدم مینارِ نُور سمجھیں ۔

مَیں نے جہاں اصحابِ حُسینؓ ، اولادِ حُسینؓ ، امام مُسلمؓ ، قاصدِ امام عالی مقامؓ کا تذکرہ کیا ہے ، ضروری سمجھتا ہوں کہ ابن زیاد اور یزید کے سامنے سیّدہ طاہرہ جناب زینب سلام اللہ علیہا کی بیباکی ، جرأت ، بے خوفی اور فلک شگاف ایمانی قوّت کا بھی تذکرہ کر دوں ۔

---

1 ہوتا ہے جادہ پیما (قلمی مسودہ) ۔ محمد عبدالستار خان نیازی

عبیدُاللہ کے سامنے حضرتِ زینبؓ کی جرأتِ ایمانی

حضرت حُسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ان کے بچے، ان کی بہنیں اور عورتیں جب عبیدُاللہ بن زیاد کے پاس پہنچے تو حضرت حُسینؓ کی بہن حضرت زینب بنتِ فاطمہؓ بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس اور بہت خستہ حال تھیں اور لونڈیوں نے انہیں گھیرا ڈالا ہُوا تھا۔ اسی حالت میں وہ عبیدُ اللہ کے سامنے آکر بیٹھیں تو اس نے کہا۔ "یہ بیٹھنے والی کون ہے"؟ حضرت زینبؓ نے کوئی جواب نہ دیا۔ عبیدُاللہ نے تین دفعہ یہی کہا اور انہوں نے تینوں بار ہی کلام نہ کی تو ان کی کسی لونڈی نے کہا "یہ زینب بنتِ فاطمہؓ ہے"۔ یہ سُن کر عبیدُاللہ نے کہا:

"تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے تمہیں ذلیل کیا اور تمہیں تباہ و ہلاک کیا اور تمہارے دعوئ خلافت کو جھٹلایا"۔

(یہ ابنِ زیاد کی ایسی بد تمیزی، دنائت اور بے حیائی تھی جس کی مثال نہیں مل سکتی)

حضرت زینبؓ نے فرمایا:۔

"تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل عزت دی اور پورے طور پر پاک کیا۔ تُونے جو کچھ کہا وہ اس کے سوا نہیں کہ فاسق ذلیل کیا جاتا ہے اور فاجر جھٹلایا جاتا ہے"۔

ابن زیاد نے کہا: "تُو نے اپنے گھر والوں کے ساتھ اللہ کا برتاؤ کیسا دیکھا ہے"؟

انہوں نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ نے قتل ہونا ان کی قسمت میں لکھ دیا تھا۔ وہ اپنے ٹھکانوں کی طرف سفر کر گئے اور عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں اور تجھے اکٹھا کرے گا۔ وہ اس کے پاس یہ جھگڑا لے جائیں گے اور اسی سے اس کا فیصلہ طلب کریں گے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت پر ظُلم کیا اور انہیں قتل کر ڈالا ہے۔ ان کی برابری کی ہے اور یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ پاک لوگوں اور نیکو کاروں پر اس دُنیا میں مظالم کئے جائیں جیساکہ پہلے بھی انبیاء، صالحین اور صدیقین و اولیاء کو قتل کیا جاتا رہا ہے اور عنقریب آخرت میں اللہ تعالیٰ اِن گناہوں کا حساب لے گا جو ان سے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۝

عنقریب جان لیں گے جنہوں نے ظُلم کیا کہ کون سی پھرنے کی

جگہ میں پھرتے ہیں اور اگر حساب کا دُوسرا گھر نہ ہوتا ، ظلم ہی بزرگی پاتا اور ظالم قوی و کامیاب ہوتے"۔

حضرت زینبؓ کے یہ الفاظ سُن کر ابن زیاد آگ بگولہ ہو گیا اور زیادتی کرنے چاہی تو عُمرو بن حریث نے اُسے کہا:

"اللہ تعالیٰ امیر کو صلاحیت دے ۔ یہ ایک عورت ہے اور کیا تُو عورت سے اس کی بات کا بدلہ لینا چاہتا ہے ؟ عورت کی بات قابلِ مواخذہ نہیں ہوتی اور نہ اُسے غلطی پر ملامت کی جاتی ہے"۔

پھر ابن زیاد نے حضرت زینبؓ سے کہا :۔

"اللہ تعالیٰ نے تیری سرکشی اور تیرے اہلِ بیت کے جرموں سے میرا دل صاف کر دیا ہے"۔

حضرت زینبؓ رو پڑیں اور فرمایا :۔

"میری عُمر کی قسم ! تُو نے میرے بزرگ بھائی کو قتل کیا اور میرے اہل پر غلبہ پایا ۔ میری شاخیں کاٹ دیں اور میری اصل کو جڑوں سے اُکھاڑ دیا ۔ اب اگر تُو ہمارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تُو نے اپنے غصہ کو پی لیا"۔

عبیدُاللہ بن زیاد نے کہا : "یہ شجاعت ہے ۔ مجھے میری عُمر کی قسم ! تیرا باپ شاعر اور شجاع تھا"۔

آپ نے فرمایا : "عورت کے لئے شجاعت کہاں ؟ مَیں شجاعت سے محروم ہوں ۔ جو کچھ مَیں نے کہا وہ میرے دل میں آیا ہے"۔۱

۱..... الحسنؓ والحسینؓ : ص ۲۳۰ ۔ ۲۳۳ ، شام کربلاء : ص ۲۱۳ ۔ ۲۱۴ ، الحسینؓ : ص ۱۴۳ ۔ ۱۴۴

کوفیوں کی غدّاری

کوفیوں کی بے وفائی اور غدّاری زبان زدِ خاص و عام ہے ۔ اُن کی بابت یہ مقولہ کہ "اَلْکُوْفِیْ لَا یُوْفِیْ" بار بار کے تجربے کے بعد حقیقتِ ثابتہ بن چکا ہے ۔ ان لوگوں نے امیر المومنین حضرت علی المرتضٰی سے غدّاری کی ، حضرت امام حسنؓ کے ساتھ منافقت برتی ۔ جب دیکھا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ اُن کی منافقت ، غدّاری اور خباثت سے آگاہ ہو کر پُر امن راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں تو ان لوگوں نے امام حسنؓ پر حملہ کر دیا ، اُن کا خیمہ لوٹ لیا ، انہیں زخمی کر دیا[1] اُن کی بابت امام الحسن المجتبیٰؓ کے یہی تلخ تجربات تھے کہ انہوں نے وفات سے قبل حضرت امام حُسینؓ کو تاکیدًا وصیّت کی کہ کوفیوں پر اعتبار نہ کرنا ۔ مدینہ طیّبہ اور مکّۃ المکرّمہ میں بھی اکابرِ اُمّت اور اپنے اعزّا و اقرباء نے کوفیوں کے غدر و نفاق کا برملا تذکرہ کیا۔ باوجود ان تمام پند و نصائح اور مشوروں اور پیش گوئیوں کے وہ اس لئے چلے آئے کہ وہ ظالمانہ ، جابرانہ اور مستبدانہ نظامِ حکومت کو بموجبِ ارشادِ نبوّت (خواب میں صریح حکم حاصل کرنے کے) بدلنا چاہتے تھے اور اُس کے لئے جہاں سے حمایت کی آواز بلند ہوتی اُس سے استفادہ کرنا چاہتے تھے ۔ نیز دعوت الی الحق کی قوّت کی بنا پر یقینِ کامل رکھتے کہ وہ زورِ خطابت سے اپنا منشور منوا لیں گے ۔ پھر یہ بھی جانتے تھے کہ پہلا مرحلہ دعوت و تبلیغ کا ہے ۔ جیسے آج کل انتخابی مہم چلاتے وقت رائے دہندگان کو اپنا نقطۂ نگاہ بتا کر ہمنوا بنانے کی کوشش کی جاتی ہے ، وہ بھی ایسا کریں گے ۔ اور اَلصِّدْقُ[2] اَمَانَۃٌ وَالْکِذْبُ خِیَانَۃٌ وَالصِّدْقُ یُنْجِیْ وَالْکِذْبُ یُھْلِکُ جیسی حقیقتِ مطلقہ پر یقینِ کامل رکھتے ہوئے لوگوں کو قائل کرنے کی بدرجۂ اولیٰ صلاحیّت رکھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ جب اُنہوں نے جنگ سے پہلے اونٹ پر سوار ہو کر خُطبہ[3] دیا :

---

۱ ...... تفصیلات کے لئے ان مآخذ کا مطالعہ کیا جائے۔

(ا) ...... ناسخ التواریخ (جلد ہفتم ، زندگی امام حسن مجتبیٰ) : میرزا محمد تقی سپہر ، مطبوعہ قم

(ب) ...... جلاء العیون : ملا محمد باقر مجلسی ، مطبوعہ ایران

(ج) ...... اتحاد بین المسلمین ۔ وقت کی اہم ضرورت (حصہ دوم) ، محمد عبدالستار خان نیازی ، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء

۲ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے ، سچ نجات دیتا ہے اور جھوٹ ہلاک کر دیتا ہے ۔

۳ ...... اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے خطبہ نے یزیدیوں کو نہ صرف لاجواب بلکہ انہیں نادم و شرمسار بنا دیا ۔ مجرمانہ ضمیر کی وجہ سے دعوت دینے والے کوفیوں نے سر جھکا دیئے اور کئی یزیدی لشکر سے علیحدہ ہو کر آپ کے ساتھ شامل ہو گئے ۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خدا نے حسینؑ کو حسنِ بیان اور دلکش آواز کے ساتھ خطابت میں بھی کمال بخشا تھا۔

"لوگو! میری بات سُنو، جلدی نہ کرو، مجھے نصیحت کر لینے دو، اپنا عُذر بیان کرنے دو۔ اپنی آمد کی وجہ کہنے دو۔ اگر میرا عُذر معقول ہو اور تم اسے قبول کر سکو اور میرے ساتھ انصاف کرو، تو یہ تمہارے لئے خوش نصیبی کا باعث ہو گا اور تم میری مخالفت سے باز آجاؤ گے۔ لیکن اگر سُننے کے بعد بھی تم میرا عُذر قبول نہ کرو اور انصاف کرنے سے انکار کر دو۔ تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں ہے۔ تم اور تمہارے سارے ساتھی ایکا کر لو۔ مجھ پر ٹوٹ پڑو، مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میرا اعتماد ہر حال میں صرف پروردگارِ عالم پر ہے اور وہ نیکو کاروں کا حامی ہے"۔ ۱

آپ کی اہلِ بیت نے یہ کلام سُنا تو شدّتِ تأثر سے بے اختیار ہو گئیں اور خیمہ سے آہ و بکا کی صدا بلند ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائی عبّاس اور اپنے فرزند، علی کو بھیجا تاکہ انہیں خاموش کر آئیں۔

امامِ عالی مقام رضؓ کی تلقینِ صبر و استقامت

اسی موقعہ پر امام عالی مقام نے اپنی ہمشیرہ جناب سیدہ زینب سلام اللہ علیہا اور اہلِ بیت کو خصوصی طور پر صبر کی تلقین کی۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ آگے آنے والی قیامت خیز مصیبت ان کے لئے ناقابلِ برداشت ہو گی۔ اس لئے انہوں نے نہایت ہی واضح ارشادات کے ذریعے صبر و استقامت کی تاکید کی۔

حادثۂ کربلا میں یزیدیوں کی درندگی، وحشت اور بربریّت نے جو زہرہ گداز اور جگر پاش اقدامات کئے اور جس طرح انسانی شرافت کی تمام قدروں کو ملیامیٹ کرتے ہوئے شیطنت کا دردناک ماحول پیدا کیا اُس کا تذکرہ ہر انسان کے لئے باعثِ رنج و غم اور سوز و الم ہے۔ اس کے تصوّر سے ہی چشم ہائے خونبابہ بار سے سیلابِ اشک جاری ہو جاتا ہے، ہر آنکھ سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے۔ بالخصوص صنفِ نازک کے دل پر جو گذرتی ہے وہ احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتی۔ یومِ شہادت کی صُبح بروایت امام زین العابدینؓ جب سیّد الشہداء اپنے اُونی خیمہ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھے تھے اور اُن کے قریب اُن کا خادم اُن کی تلوار صاف کر رہا تھا، اُس وقت آپ کی زبان پر دردناک اشعار جاری تھے۔

۱۔ آزاد، ابوالکلام: شہادت حسین علیہ السلام، مطبوعہ جواد، لاہور ۱۹۷۸ء، ص ۴۰۔

آئینہ قیامت، ص ۳۲، الحسینؑ: ص ۱۲۰، شام کربلا، ص ۱۲۵

یَادَھرُ[1] اُفٍّ لَکَ مِنْ خَلِیْلِ کَمْ لَکَ بِالْاِشْرَاقِ وَالْاَصِیْلِ
مَنْ صَاحِبٍ اَوْ طَالِبٍ قَتِیْلِ وَالدَّھْرُ لَا یَقْنَعُ بِالْبَدِیْلِ
وَاِنَّمَا الْاَمْرُ اِلَی الْجَلِیْلِ وَکُلُّ حَیٍّ سَالِکٌ السَّبِیْلِ[2]

یہ اشعار سُن کر حضرت سیدہ زینب سلام اللہ علیہا اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکیں، رنج و اضطراب میں بے تاب ہو کر ایسے اُٹھیں کہ چادر نیچے گر گئی اور سر ننگا ہو گیا۔ اسی حالت میں حضرت امام عالی مقام کے پاس گئیں اور کہا:

"وائے مصیبت! کاش کہ موت آج میری زندگی کا خاتمہ کر چکی ہوتی۔ میری ماں (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) اور میرا باپ علی رضی اللہ عنہ اور میرا بھائی حسن رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے۔ اے گذر جانے والوں کے جانشین! اپنی قوم کے معاملات کی اصلاح کے لئے کھڑے ہونے والے! اور فریاد رسی کے لئے باقی رہنے والے"!

حضرت امام نے اُن کی طرف دیکھ کر فرمایا:-

"اے بہن! صبر کر تیرے حوصلہ کو شیطان نہ چھین لے جائے"۔

جب سیدہ کو یقین ہو گیا کہ شہادت کا وقت قریب ہے تو اُنہوں نے کہا:-

"اے افسوس! کیا آپ کی جان لے لی جائے گی؟ یہ بات تو میری ذات کے لئے ناقابلِ برداشت اور میرے دل کو مجروح کرنے والی ہے"۔

پھر انہوں نے اپنے منہ پر دونوں ہاتھ مارے، اپنا گریبان پھاڑ ڈالا اور بے ہوش ہو کر گر گئیں۔ حضرت امام حسینؓ اُٹھے۔ اُن کے منہ پر پانی چھڑکا اور اُن کے ہوش میں آنے پر کہا:-

"اے بہن! اللہ سے ڈر، اللہ کی دی ہوئی مصیبت پر صبر کر اور جان لے کہ زمین پر بسنے والے سب مریں گے اور آسمان والے بھی باقی نہ رہیں گے، ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ لیکن صرف وہ ذات جس نے اپنی قدرت سے زمین کو پیدا کیا، جو مخلوق کو دُنیا میں بھیجتا ہے، پھر وہ سب لوٹ جاتے ہیں اور وہ یکہ و تنہا ہے جو ہمیشہ باقی رہے گا۔

۱..... اے زمانہ! تو کیا بے وفا دوست ہے۔ ہر صبح اور ہر شام، تیرے ہاتھوں کس قدر ہلاک ہوتے ہیں۔ اور یہ زمانہ کسی کے بدل پر قناعت نہیں کرتا۔ دراصل سارا معاملہ تو خدائے جلیل کے سپرد ہے اور ہر ذی روح موت کی راہ پر گامزن ہے۔

۲..... تاریخ الامم والملوک (جلد ششم)، ص ۵۸۔ البدایۃ والنہایۃ (جلد ہشتم)، ص ۱۷۷

میرا باپ مجھ سے اچھا تھا، میری ماں مجھ سے اچھی تھی اور میرا بھائی مجھ سے اچھا تھا۔ میرے لئے، ان کے لئے اور ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی زندگی میں نمونے ہیں"۔۱

آپ نے اس قسم کی باتوں سے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو صبر دلایا اور فرمایا :۔

"اے بہنؑ! میں تجھے قسم دیتا ہوں اور میری اس قسم کو پورا کرنا۔ جب میں مر جاؤں تو گریبان نہ پھاڑنا، چہرہ نہ پیٹنا، نالہ و شیون کی آواز نہ نکالنا، بین نہ کرنا"۔۲

پیکرِ صبر و رِضا، مظہرِ جرأت و بسالت اور بحرِ انوارِ معرفت امام اولوالعزم اپنی اور اپنی آل و اولاد کی راہِ حق میں شہادت اور اپنے رفقاء کی جانبازانہ اور سرفروشانہ قربانی کے تمام مناظر کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے خاندان کی مستورات اور امام زین العابدینؑ کو تلقینِ صبر فرماتے ہیں اور یوں شہادتِ عظمیٰ کے پرستاروں کو بالخصوص اور تمام افرادِ اُمّتِ محمدیہ۳ کو بالعموم جزع فزع سے منع فرما کر اپنی پوری زندگی کو بطور نمونہ اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک جابرانہ باطل نظام کے خلاف جنگ آزما ہو کر زندگی کے آخری لمحات تک اعلاء کلمۃ الحق کے لئے ثابت قدم رہنا ہی مومن کا مطمحِ نظر ہونا چاہیئے، اسی نقطۂ نگاہ کو عارف اقبال یوں ادا کرتے ہیں ؂

تیرو	سنان	و	خنجرو	شمشیرم آرزوست
بامن	میا	کہ	مسلکِ	شبّیرم آرزوست۴

اب سید الشُّہداء امام عالی مقام کے ہر غلام اور اہلِ بیتِ اطہار کے ہر مُتّبع اور پرستار کا فرض ہے کہ وہ اس شہادت کو نہ صرف اپنے لئے بلکہ پوری ملّت کے لئے غایت الغایات قرار دے اور ہمیشہ باطل قوّتوں کے خلاف جہاد کرتا رہے۔ چند روز رنج و غم اور دردوالم کے جذبات کا مظاہرہ کرنے کے بجائے مستقل طور پر امام حُسین رضی اللہ عنہ کے مقدّس مشن کی تکمیل کے لئے جنگ آزما رہیں، اور اس ساری جِدّوجُہد میں شہادت سے قبل، حضرت امام

۱..... الحسنؓ والحسینؓ: ۱۸۵-۱۸۶، آئینہ قیامت: ص۲۹، شام کربلاء: ص۱۲۱

۲..... الحسنؓ والحسینؓ: ص۱۸۶، شام کربلاء: ص۱۲۱، الحسینؓ: ص۱۱۹

۳..... جلاء العیون (صفحہ ۳۸۷) میں بھی یہی نصیحت آموز ارشادات موجود ہیں۔ فهو هٰذا۔

"اے خواہر گرامی! ترا سوگند میدہم کہ چون من از تیغ اہل جفا بعالم بقا رحلت نمایم گریبان چاک مکنید و رو مخراشید و واویلا مگوئید"

۴..... پیام مشرق۔ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور ۱۹۵۸ء۔ بار نہم۔ ص۱۸۵

عالی مقام کی اس دُعا کو اپنے لئے تسکین و طمانیتِ قلب کا ذریعہ قرار دیں ۔

"اے اللہ ! ہر مصیبت میں تیرا ہی بھروسہ ہے ، ہر سختی میں تُو ہی میری اُمید ہے اور ہر بات میں جو میرے سامنے آئی تُو ہی میرا سہارا ہے ۔ بہت سی مصیبتیں ایسی ہیں جن میں دل کمزور اور حیلہ بے کار ہو جاتا ہے ۔ اس میں دوست پریشان ہوتے ہیں اور اعداء خوش ہوتے ہیں ۔ مجھ پر تیرے ہی لئے مصیبت نازل ہوئی ہے اور اس کا شکوہ بھی تجھ ہی سے کرتا ہوں ۔ میری توجہ صرف تیری طرف ہے ، تیرے ماسوا کی طرف ہرگز نہیں ۔ اِس مصیبت کو مجھ سے ہٹا اور دُور کر دے کہ تو ہی ہر نعمت کا مالک ، ہر نیکی کا مختار اور ہر توجہ کی انتہا ہے"۔ ۱

اس دلگداز دُعا کے بعد آپ نے اپنا خُطبہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا :۔

«فَانْسِبُوْنِیْ فَانْظُرُوْا مَنْ اَنَا ثُمَّ رَاجِعُوْا اَنْفُسَکُمْ فَعَاتِبُوْهَا وَانْظُرُوْا هَلْ یَصْلَحُ وَیَحِلُّ لَکُمْ قَتْلِیْ وَانْتِهَاكُ حُرْمَتِیْ ، اَلَسْتُ ابْنَ بِنْتِ نَبِیِّکُمْ وَابْنَ وَصِیِّهٖ وَابْنَ عَمِّهٖ وَاَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ بِاللّٰهِ وَالْمُصَدِّقِ لِرَسُوْلِهٖ ؟ اَوَلَیْسَ حَمْزَةُ سَیِّدُ الشُّهَدَآءِ عَمَّ اَبِیْ ؟ اَوَلَیْسَ جَعْفَرُ الشَّهِیْدُ الطَّیَّارُ فِی الْجَنَّةِ عَمِّیْ ؟ اَوَلَمْ یَبْلُغْکُمْ قَوْلٌ مُسْتَفِیْضٌ : اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ، صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ لِیْ وَلِاَخِیْ : اَنْتُمَا سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ ...... فَاِنْ صَدَّقْتُمُوْنِیْ بِمَا اَقُوْلُ ، وَهُوَ الْحَقُّ ، وَاللّٰهِ مَا تَعَمَّدْتُ کَذِبًا ..... وَاِنْ کَذَّبْتُمُوْنِیْ فَاِنَّ فِیْکُمْ مَنْ اِنْ سَاَلْتُمُوْهُ عَنْ ذَالِكَ اَخْبَرَکُمْ ، سَلُوْا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ اَوْ اَبَا سَعِیْدٍ اَوْ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ اَوْ زَیْدَ ابْنَ اَرْقَمَ اَوْ اَنَسًا یُخْبِرُ وْکُمْ اَنَّهُمْ سَمِعُوْهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ، صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ، اَمَا فِیْ هٰذَا حَاجِزٌ یَحْجُزُکُمْ عَنْ سَفْكِ دَمِیْ ؟ .... فَوَاللّٰهِ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ابْنُ بِنْتِ نَبِیٍّ غَیْرِیْ مِنْکُمْ وَلَا مِنْ غَیْرِکُمْ . اَخْبِرُوْنِیْ اَتَطْلُبُوْنِیْ بِقَتِیْلٍ مِّنْکُمْ قَتَلْتُهٗ ، اَوْ بِمَالِکُمْ اَسْتَهْلَکْتُهٗ ، اَوْ بِقِصَاصٍ مِّنْ جِرَاحَةٍ ؟» ۲

"لوگو ! میرا حسب و نسب یاد کرو ، سوچو مَیں کون ہوں ؟ پھر اپنے

۱..... الحسنؓ والحسینؓ : ص ۱۸۷. شام کربلاء . ص ۱۲۵. شہید کربلا : ص ۴۹

۲..... ابن اثیر الشیبانی . الکامل فی التاریخ (جلد چہارم) : ص ۶۱ - ۶۲

ابن کثیر الدمشقی : البدایۃ والنہایۃ (جلد ہشتم) : ص ۱۷۹

ابن جریر الطبری . تاریخ الامم والملوک (جلد ششم) : ص ۲۴۲ . ۲۴۳

گریبانوں میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کرو کیا تمہارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حُرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟ کیا مَیں تمہارے نبی کی لڑکی کا بیٹا، ان کے وصی اور عمّ زاد کا جگر گوشہ نہیں جنہوں نے سب سے پہلے اللہ کی آواز پر لبیک کہی اور اس کے رسول پر ایمان لائے؟ کیا سیدالشہداء حمزہؓ میرے باپ کے چچا نہیں تھے؟ کیا ذوالجناحین جعفرالطیارؓ میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا یہ مشہور قول نہیں سُنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرماتے ہیں "سید اشباب اہل الجنة"؟ (جنت میں نوعمروں کے سردار)، اگر میرا یہ بیان سچّا ہے، اور ضرور سچّا ہے کیونکہ واللہ مَیں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے لے کر آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا، تو بتلاؤ کیا تمہیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیئے؟ اگر تم میری بات کا یقین نہیں کرتے تو تم میں اس وقت بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق کر سکتے ہو (یا پھر اصحابِ رسول اللہ) جابر بن عبداللہ انصاری سے پوچھو، ابوسعید خدری سے پوچھو، سہل بن سعد ساعدی سے پوچھو، زید بن ارقم سے پوچھو، انس بن مالک سے پوچھو، وہ تمہیں بتائینگے کہ انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو یہ فرماتے سُنا ہے یا نہیں؟ کیا یہ بات بھی تمہیں میرا خُون بہانے سے نہیں روک سکتی؟ واللہ! اس وقت رُوئے زمین پر بجُز میرے کسی نبی کی لڑکی کا بیٹا موجود نہیں۔ مَیں تمہارے نبی کا بلاواسطہ نواسہ ہوں! کیا تم مجھے اس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ مَیں نے کسی کی جان لی ہے! کسی کا خُون بہایا ہے، کسی کا مال چھینا ہے؟ کہو کیا بات ہے؟ آخر میرا قصور کیا ہے"؟!

۔۔شہادت حسین علیہ السلام: ص ۴۲۔ ۴۳۔ الحسنؓ والحسینؓ: ص ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ الحسینؓ: ص ۱۲۱۔
محمد احمد۔ سید ابوالحسنات۔ اوراق غم۔ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ لاہور ۱۹۸۷ء۔ ص ۳۹۸

پُر از فصاحت و بلاغت خُطبے کا اثر

حُر نے جب یہ خُطبہ سُنا تو آہستہ آہستہ امام حُسینؓ کی طرف بڑھنا شروع کیا ۔ ایک شخص نے پُوچھا آج تم کیا کر رہے ہو ۔ حُر نے جواب دیا : "بخُدا مَیں جنّت یا دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں ۔ واللہ مَیں نے جنّت منتخب کر لی اگرچہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جائے"۔

حُر نے اہلِ کوفہ کو ان لفظوں میں خطاب کیا :۔

"اے اہلِ کوفہ ! تمہاری ماؤں کو تمہاری موت کا صدمہ پہنچے ۔ تم نے حضرت حُسینؓ کو دعوت دی جس کی بنا پر وہ تمہارے پاس آ گئے ۔ تم نے یہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ تم ان کے دُشمن سے لڑ کر انہیں ہلاک کرو گے لیکن پھر تم انہی کو جن کی حمایت میں دُشمنوں سے لڑنے والے تھے قتل کرنے پر تیار ہو گئے ۔ تم نے ان کو روکا ، چاروں طرف سے ان کو گھیر لیا اور اللہ تعالیٰ کی وسیع دُنیا کے شہروں میں جانے سے روک دیا جہاں وہ خود بھی امن سے رہتے اور اپنے اہلِ بیت کو بھی مامون رکھتے ۔ وہ تمہارے ہاتھوں میں ایک ایسے قیدی کی طرح ہو گئے ہیں جو نہ اپنی جان کو فائدہ دے سکے اور نہ نقصان سے بچ سکے ۔ تم نے ان کو ، ان کی عورتوں اور بچّوں کو اور ان کے اصحاب کو دریائے فرات کا بہتا ہُوا پانی پینے سے روک دیا ۔ جس کو یہودی ، مجوسی ، نصرانی سب پیتے ہیں ۔ اور اس میں سیاہ خنزیر اور کتے چرتے ، اُچھلتے کودتے اور اس کا پانی خوب پیتے ہیں ۔ کتنے ظلم کی بات ہے کہ انہیں پیاس نے بے حال کر دیا ہے مگر پانی نہیں پی سکتے ۔ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں کس قدر پیچھے رہ گئے ہو ۔ اگر آج اور اسی وقت تم نے توبہ نہ کی اور اس ارادے سے باز نہ آئے جس پر تُلے ہوئے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں حشر کے دن پانی نہ دے گا"۔[۱]

ہم نے گذشتہ صفحات میں دشمنوں کی جانب سے خطرناک انجام و عواقب حتّٰی کہ قتل تک کی دھمکی کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے طے شدہ پروگرام کی تکمیل کے لئے جلسہ گاہ کی جانب

۱...... الحسنؓ والحسینؓ : ص ۱۹۱ ۔ ۱۹۲ ، الحسینؓ : ص ۱۲۳ ۔ ۱۲۴ ، شام کربلاء ص : ۱۳۴ ، کوکب . قاضی عبدالنبی : یاد شہید ، مطبوعہ مکتبہ ابناء الاسلام ، لاہور ۱۹۵۹ء ۔ ص ۱۰۳

چلنے کا فیصلہ کیا تھا تو ہمارے سامنے بھی حضرت امام عالی مقامؓ کا یہ واضح لائحۂ عمل موجود تھا۔ اُنہیں جب ایک موقع پر دُشمنوں نے کہا کہ اگر آپ نے جنگ کی تو قتل کر دیئے جاؤ گے، اُنہوں نے جواب دیا:

کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ اور کیا تمہاری بدبختی یہاں تک پہنچ جائے گی کہ تم مجھے قتل کر دو گے؟ مَیں نہیں جانتا کہ تمہیں کیا جواب دوں۔ مَیں صرف وہی جواب دے سکتا ہوں جو اوسؔ کے چچیرے بھائیوں نے اسے اس وقت دیا تھا جب وہ رسولؐ اللہ کی مدد کو جا رہے تھے اور اوسؔ نے انہیں کہا تھا۔ تم کہاں جا رہے ہو؟ اگر تم رسولؐ اللہ کی مدد کو نکلو گے تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس پر ان میں سے ایک نے کہا تھا۔ ''مَیں عنقریب روانہ ہو جاؤں گا اور موت جواں مرد کے لئے عار نہیں، جب اس کی نیّت ٹھیک ہو اور وہ اسلام کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو۔ اور جب وہ جان دے کر نیک لوگوں کا مددگار بنے اور ملعون اور مجرم سے علیٰحدگی اختیار کرے۔ اگر مَیں زندہ رہا تو نادم نہ ہوں گا اور اگر مر گیا تو میرے لئے رنج کی کوئی بات نہیں۔ ہاں تمہارے لئے ذلّت ہی ذلّت ہے خواہ تم نہایت عیش و آرام کی زندگی گذارو''۔۲

کُوفیوں کی ندامت اور توبہ

کوفیوں کے غدر و نفاق ، بُزدلی ، بے حمیّتی ، اقتدار پرستی اور جاہ طلبی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن لوگوں نے ہزارہا خطوط لکھ کر امام عالی مقامؓ کو بلایا تھا اور اپنے ذاتی نمائندے بھیج کر جلدی کوفہ پہنچنے کی تاکید کی تھی، وہی ابن زیاد کی جانب سے خوف و طمع سے اور حرص و آز کا شکار بن کر مقابلے میں آ گئے۔ امام حُسینؓ کی جانب سے بار بار ایفائے عہد کی تلقین اور

۱..... اوس اور خزرج جنہیں انصار کا لقب عطا ہوا. بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کے بعد ان کی اولاد یثرب (مدینہ کا قدیم نام) میں آکر سکونت پذیر ہوئی۔ اوس و خزرج کے باپ کا نام ثعلبہ بن عمرو تھا۔ ثعلبہ کے دو بیٹے ہوئے ایک اوس دوسرا خزرج۔ انہیں دونوں کی اولاد سے انصار ہیں۔

۲..... الحسینؓ: ص ۱۰۳. شاہ شہیدان ص ۸۹. شام کربلاء: ص ۹۵. الحسنؓ والحسینؓ: ص ۱۶۲

۳..... کوفیوں کے غدر و منافقت کو آپ نے پہلے خطبہ میں ہی طشت ازبام کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ''مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر کے قتل کی خبریں موصول ہو چکی ہیں۔ ہمارے شیعوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ تم میں سے جو شخص ہم سے علیحدہ ہو کر لوٹنا چاہے وہ بلا تامل واپس چلا جائے۔ ہماری جانب سے اس پر کوئی الزام نہیں۔..۔ اس خطبہ سے آپ نے آنے والی نسلوں کو بتا دیا کہ ہمارے شیعوں اور خیر خواہوں نے ہمیں بلایا اور پھر انہوں نے شہید بھی کر دیا۔ آخر میں اپنے کرتوت یاد کر کے آہ و بکا اور نالہ و شیون سے لوگوں کو دھوکہ دیا۔

یاددہانی کے باوجود ٹس سے مس نہ ہوئے اور لڑنے بھڑنے پر آمادہ ہو گئے ۔ حتّٰی کہ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کو مع رفقاء اور اہلِ خاندان شہید کر دیا ۔ بعد میں لوگوں کی لعن طعن ، اپنوں اور بیگانوں کی طرف سے اظہارِ نفرت و حقارت پر نادم ہوئے ۔ ان کے رونے ، پیٹنے اور آہ و بکا اور نالہ و شیون برپا کرنے کا تذکرہ کُتبِ تاریخ میں یُوں مذکور ہے کہ :

"بعد شہادت شہزادۂ مظلوم حضرت سیّدنا امام حُسین رضی اللہ عنہ و دیگر اہلِ بیت و فدائیانِ اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین جب قافلہ اسیرانِ اہلِ بیت کا اُونٹوں پر روانہ ہُوا تو جوق در جوق اہلِ کوفہ کا مکانوں کی چھتوں پر ہجوم تھا ، اس مقدس گروہِ دُودمانِ نبوّت کو حالتِ اسیری اور بے سروسامانی میں دیکھ کر مردوزن روتے جاتے تھے ۔ حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا ، خواہر امام علیہ السّلام اُن کوفیوں کی طرف ایک نظر ملامت و نفرت انگیز ڈال کر مُستفسر ہوئیں کہ اے اہل کوفہ ! تم ہماری مظلُومیّت و بیکسی پر آنسو بہاتے ہو تو آخر میرے بھائی کو شہید کس نے کیا ، گلزارِ نبوّت کو تاراج کرنے کی شقاوت و رُو سیاہی کس نے حاصل کی ، افسوس ہے تم پر اور تمہاری ہمدردی پر"۔ [۱]

چنانچہ کوفہ میں باہتمام امام حُسین رضی اللہ عنہ کے شیعہ اپنے سردار سلیمان بن صرد کے گھر جمع ہوئے ، بے حد شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے ۔

"ہماری توبہ اِسی طرح ہو سکتی ہے کہ ہم یزیدیوں سے خُون کا مطالبہ کریں"۔

اس عزم کے ساتھ انہوں نے سلیمان بن صرد کو اپنا امیر بنایا ، ان کا نام امیرالتّوابین رکھ کر ابن زیاد کی طرف چل پڑے ، جو شام سے ایک لشکر کے ہمراہ عراق کی طرف آ رہا تھا۔ سر زمین جزیرہ میں عین الورد کے مقام پر ابن زیاد سے شہداء کربلا کے خون کا مطالبہ کیا ۔ جس پر لڑائی چھڑ گئی ۔ سلیمان بن صرد ، مسیب بن نجبہ اور اُن کے بہت سے ساتھی مارے گئے ۔ سلیمان جب قتل ہُوا ، اُس کی عُمر ترانوے سال تھی ۔ توابین جنگ سے پہلے جب حضرت امام حُسین رضی اللہ عنہ کی قبر پر پہنچے تو بیک آواز اس طرح چیخ چیخ کر روئے اور ماتم کیا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا نہ روئے تھے ۔ بیک آواز چلّا کر کہا :۔

"اے ربّ ! ہم نے اپنے پیغمبر کے نواسے کو خراب کیا ۔ ہمارا یہ گناہ بخش دے اور ہماری توبہ قبول کر ۔ تُو ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اور

۱۔۔۔ اشرف ۔ پروفیسر سید محمد سلیمان : النور ، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۱ء ، ص ۱۴۹

حضرت حُسینؓ اور اُن کے ساتھی شہیدوں ، صدیقوں پر رحم فرما ۔ ہم اُسی مسلک پر ہیں جس پر وُہ قتل ہوئے ۔ اگر تُو نے ہمیں نہ بخشا اور مہربانی نہ کی تو ضرور بالضرور ہم نقصان پانے والوں میں ہوں گے"۔ ۱

اِسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

ہم نے امام عالی مقام علیہ السّلام کی شہادت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے یہ امر واضح کیا ہے کہ خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کو ملوکیّت میں بدلنے ، قوّت و اقتدار سے فرعونیّت ، مال و دولت سے استحصال و قارونیّت اور دین اسلام کے نام سے تلبیس اور منافقت پر مبنی جو نظامِ حکومت یزید نے قائم کر لیا تھا ، اگر اُس کے خلاف کوئی آواز بلند نہ ہوتی تو تاقیامت ساری اُمّت پر یہ الزام عاید کیا جاتا کہ مظلوم ، مجبور اور مقہور رعیّت کے جذبات کی ترجمانی کے لئے کوئی نہ اُٹھا ۔ ضرری نہیں کہ ہر انقلابی جِدّوجُہد کامیاب ہو ۔ راہِ حق میں جہاد کرتے ہوئے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دینا یہی کامیابی ہے ۔ اِسی پر مولانا محمّد علی جوہرؔ فرماتے ہیں کہ ؎

قتلِ حُسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

آج بھی جب مردانِ حق ایک اعلیٰ نصبُ العین کے لئے جِدّوجُہد کا آغاز کرتے ہیں تو اُن کے لئے امام حُسینؓ کی شہادت ، خاندانِ اہلِ بیت کی قربانی اور مصائب و آلام میں عزیمت و استقامت ایک زبردست نشانِ راہ اور مینارِ نُور ثابت ہوتی ہے ۔ یہ چیز بھی تاریخ کے سنہری اوراق میں رقم ہو چکی ہے کہ ظالم و جابر اور فاسق و فاجر یزید کے مقابلے میں جب سیّدالشُّہداء نے غیر مشروط اطاعت کو قبول نہ کیا تو ہمیشہ کے لئے علم بردارانِ حُریّت کے لئے یہ ایک روشن مثال قائم ہو گئی کہ وہ بھی بمصداق ؎

سر داد ، نداد ، دست در دستِ یزید
حقّا کہ بنائے لا اِلٰہ است حُسینؓ

آخر دم تک ظُلم کا مقابلہ کرتے رہیں ۔ مولانا محمّد علی جوہرؔ کے اس تاریخی اعلان "اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد" سے بھی یہی مُراد ہے کہ نظامِ مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ

۱۔۔۔ الحسنؓ والحسینؓ : ص ۲۴۶ ۔ ۲۴۷ ۔ شامِ کربلاء : ص ۲۷۲

کے لئے جب مسلمان جان ، مال ، عزّت و آبرو کی قربانی پر آمادہ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں یقیناً کامیابی سے ہمکنار کرے گا ۔

امام حسینؓ اُمتِ محمدیہ کے لئے غیرت کا نشان ہیں

افسوس ہے کہ امام عالی مقامؓ کے اس تاریخ ساز کردار کو ہمارے شیعہ دوستوں نے آہ و بکا ، نالہ و شیون اور ماتم و الم تک محدود کر رکھا ہے ۔ زیادہ سے زیادہ کوئی نتیجہ نکالا ہے تو یہ کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد خلافت کا سلسلہ ہی غلط بُنیاد پر چل پڑا تھا ۔ جب کوئی پُوچھے کہ خلافتِ راشدہ میں جناب حیدر کرّار علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ،وزیرِ عدل ، مشیرِ خاص بلکہ ہر دَور میں خلافت کے لئے زبردست اعتماد و وقار کا باعث بنے رہے تو یہ نیا فلسفۂ مصلحت گھڑ لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے یہ تعاون اخلاص پر مبنی نہ تھا ، وہ بظاہر خلفائے ثلاثہ کے ہر اقدام کی تائید و حمایت کرتے رہے ، مگر دل سے انہیں نہیں چاہتے تھے ۔ اس عجیب و غریب مصلحت کوشی کو انہوں نے "تقیہ" کا نام دے رکھا ہے ۔ حیف ہے کہ بیٹا تو ایک ناپسندیدہ شخص کی بیعت نہ کرے اور اپنا سر نیزے پر ٹنگوا دے ، آل و اولاد قربان کر دے ، غیر مشروط اطاعت نہ کرے اور آخر دم تک اپنے موقف پر ڈٹا رہے اور باپ مسلسل پچیس سال صدائے حق بلند نہ کر سکے ۔ یہ انوکھی محبت ہے کہ اپنے محبوب کو مردانِ حق کے بجائے مردانِ مصلحت کوش کے زُمرے میں ڈال دیا جائے ۔ ہم خلفائے راشدینؓ کو اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ[1] ___ اور رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کی صفاتِ مومنانہ سے متصف پاتے ہیں ۔ وہ ایک دُوسرے کے جاں نثار ، غم خوار و غم گسار تھے ، للّٰہیت کے اُس مقام پر فائز تھے کہ انہیں رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ[2] کا سرٹیفیکیٹ عطا ہُوا ___ بلکہ ہم نے جناب امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد بھی سُنا ہے کہ "جس روز سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم نے صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے اپنے مصلّے پر کھڑا کیا ، ہم سمجھ گئے کہ خلافتِ رسُول کا اُنہیں ہی حقدار بنا دیا گیا ہے ۔ اگر کوئی شخص ابوبکرؓ کے بجائے کسی اور کو سامنے لاتا تو مَیں اس کے مقابلے کے

۱...... سورۃ الفتح کے آخر میں اس آیہ مبارکہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۚ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ ۔الخ

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے (یعنی آپ کے اصحاب) کافروں پر سخت اور آپس میں نرم دل (ایک دوسرے پر مہربانی و محبت کرنے والے) ہیں۔

۲...... اللہ ان سے راضی (بسبب ان کے ایمان واخلاص وطاعت کے) اور وہ اللہ سے راضی (اس کے رحمت و کرم سے) ۵۸ : ۲۲

لئے تلوار اُٹھاتا"۔ اُنہوں نے اس سوال پر کہ ہم نے ابوبکرؓ و عمرؓ کی بیعت کیوں کی ؟ جواب دیا :

"مجھے اندیشہ تھا کہ اِسلام اور اہلِ اِسلام کی اعانت و نُصرت پر کھڑا نہیں ہوں گا، تو ممکن ہے اِسلام میں شگاف پڑ جائے یا اس کی عمارت گر جائے ۔۔۔ یہ سوچ کر مَیں اُٹھا اور ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۔ پھر ان کی دُرستیٔ معاملات پر کمر بستہ ہوگیا ۔ آخر باطل مرگیا اور کفّار کے علی الرغم کلمۃ الہٰی سربلند ہوگیا"۔ ۱

نیز شیعانِ علی کے نام ایک جامع خط بایں الفاظ تحریر فرمایا :

"۔۔۔ ابوبکرؓ کی حکومت ٹھیک اور روش سیدھی رہی ۔ اُنہوں نے اعتدال سے تجاوز نہ کیا ۔ اُن کے ساتھ میری رفاقت ناصحانہ تھی ۔ مَیں اُن کے سب کاموں میں اُن کی مجاہدانہ اطاعت کرتا رہا جن میں کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے تھے ۔
پھر جب ابوبکرؓ کا وقتِ آخر ہوا تو انہوں نے عمرؓ کو بلایا اور خلافت سپرد کی ، ہم نے اُن کی بات مان لی۔ اطاعت کی ، بیعت سے انکار نہ کیا ۔ اور خیر خواہی کے وطیرے پر قائم رہے ۔ عمرؓ کی سیرت بھی پسندیدہ تھی اور وُہ عُمر بھر اقبال مند رہے"۔ ۲

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر اسد اللہ تعالیٰ جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا :۔

"۔۔۔ اے ابوبکرؓ ! خدا تم پر رحمت نازل فرمائے ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست اور ساتھی تھے اور آپ کے مونس و غم خوار اور معتمد علیہ تھے ۔ بخدا تم تمام اُمت میں سب سے پہلے ایمان لائے اور ایمان کو اپنا خُلق بنایا ۔ تم سب سے زیادہ صاحبِ ایقان ، سب سے غنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی اور اِسلام کے شیدائی تھے ۔ اور اپنے دوستوں کے لئے سراسر خیر و برکت ، بہترین ساتھی اور معاندینِ اسلام کے لئے سراپا قہر و غضب تھے ۔ تم خُلق ، فضل ، ہدایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر

۱...نہج البلاغۃ (حصہ دوم) ۔ ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی، مرتبہ مرتضےٰ حسین فاضل ۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۷ء ۔ طبع ثانی ۔ ص ۸۸۱

۲... " (حصہ دوم) ۔ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز ۔ لاہور ۱۹۵۷ ۔ ص ۸۸۱

تھے ۔ اللہ تعالیٰ تم کو اسلام اور اہلِ اسلام کی طرف سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے ! تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُس وقت تصدیق کی جب دُوسروں نے تکذیب کی ، اور اُس وقت رسولؐ اللہ کی غم خواری کی جب دُوسروں نے بُخل کیا ۔ خُدا کی قسم ! آپ اُس وقت بھی اسلام کے رئیس اور امیر تھے ، جب لوگ اِسلام سے پہلو تہی کر رہے تھے جب لوگ نُصرت و حمایت سے رُکے ہوئے تھے ، تم نے کھڑے ہو کر رسولِ خُدا کی مدد کی ۔ خُدا نے تم کو صدّیق کو کہا۔ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِہٖ کے آپ مِصداق ہیں ۔ تم اِسلام کی پُشت پناہ اور کافروں کے بھگانے والے تھے ۔ نہ تمہاری حُجّت بے راہ ہوئی اور نہ تمہاری بصیرت ناتواں ہوئی ۔ تمہارے نفس نے کبھی بُزدلی نہیں دکھائی ۔ تم پہاڑ کی مانند مُستقِل مزاج تھے ۔ تم کو تند ہوائیں نہ اُکھاڑ سکیں ، نہ ہلا سکیں ۔ تمہاری نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ۔ ’’ضعیف البدن و قوی الایمان‘‘ (اپنے معاملہ میں ضعیف اور حق تعالیٰ کے معاملہ میں قوی) ، منکسر المزاج ، اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ ، زمین پر بزرگ ، مومنوں میں بڑے ہیں ۔ نہ تمہارے سامنے کسی کو طمع ہو سکتی تھی نہ خواہش ۔ کمزور تمہارے نزدیک طاقتور اور قوی کمزور تھا یہاں تک کہ کمزور کا حق دلا دو‘‘ ۔ ۱

علیٰ ہٰذا القیاس سیدنا صدّیق اکبرؓ نے حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی ذات والا صفات کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ’’میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ علی کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے‘‘ ۔ اسی سِلسلہ میں حضرت شعبیؒ سے مروی ہے ایک مرتبہ حضرت صدّیقِ اکبرؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے چہرے پر نظر ڈالی اور فرمایا ’’اگر ایسے شخص کو دیکھنا ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت اور مرتبہ میں سب سے زیادہ قریب ہو اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لئے سب سے زیادہ تکالیف برداشت کی ہوں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ عزیز اور پیارا ہو وہ اِنہیں دیکھ لے‘‘ ۔ اور حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کیا ۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ’’اگرچہ ابوبکرؓ نے ہماری بابت یہ کہا ہے لیکن وُہ مخلوقِ خُدا پر سب سے زیادہ شفیق و مہربان ہیں اور عشقِ الٰہی میں سرد آہ بھرنے والے ہیں ۔ وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ غار ہیں ، اُنہوں نے رسولؐ اللہ کی خاطر ہر قسم کی مشقّت برداشت کی اور حضور صلی اللہ

۱..... علامہ جار اللہ زمخشری: الموافقۃ بین اھل البیتؓ والصحابۃ ۔ اردو ترجمہ: احتشام الحسن کاندھلوی: خلفاء راشدینؓ اور اہل بیت کرامؓ کے باہمی تعلقات ۔ مطبوعہ مکتبہ بساط صحابہ ۔ لاہور ۱۹۸۶ء ۔ بار سوم ۔ ۳۲ ۔ ۳۶

علیہ وسلم پر اپنی جان و مال سب کچھ قربان کر دیا ۔ آپ اکثر حضورؐ کی جانب سے اپنے مال میں سے خرچ کرتے تھے ، سب سے زیادہ بارگاہِ رسالت میں مقرّب تھے۔"[1]

ساری دُنیا جانتی ہے کہ حضرت علی المرتضٰی اور امیر معاویہ کے مابین مسئلہ قصاصِ عثمان پر زبردست اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور فریقین کی جانب سے متشدّدین نے اختلافات کو مشاجرات اور پھر محاربات تک پہنچا دیا ۔ تاہم امیر معاویہ ہمیشہ حضرت امیر المومنین علی المرتضٰی کی عظمت ، تقوٰی و طہارت ، اصابتِ رائے اور دینی بصیرت کے قائل رہے ۔ حتّٰی کہ جناب امیر علیہ السّلام نے اس بات کا بطورِ خصوصی فضل و موہبتِ ربانی ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میرا مخالف بھی شرعی معاملات میں مجھ سے فتوٰی طلب کرتا ہے ۔ ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے اپنے ایک مصاحب ضرار صدائی کو حکم دیا کہ وُہ اُن کے سامنے حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی سیرت کا نقشہ پیش کرے ۔ اس پر اُس مصاحب نے عرض کی :

«کان واللہ بعید المدی شدید القوی یقول فصلاو یحکم عدلا ینفجر العلم من جوانبه وتنطق الحکمة من حوالیه یعجبه من الطعام ماخشن ومن اللباس ماقصر وکان واللہ یجیبنا اذا دعوناه و یعطینا اذا سئلناه وکنا واللہ علی تقریبه لنا وقربه منالا نکلمه هیبة له ولا نبتدیه لعظمه فی نفوسنا فیبسم واللہ عن ثنایا مثل اللؤلؤ المنظوم یعظم اهل الدین ویرحم المساکین ویطعم فی المسغبة یتیمًا ذامقربة ومسکینًا ذامتربة ثم کان یکسو العریان وینظرا للهفان ویستو حش من الدنیا وزهر تها ویانس باللیل وظلمته وکانی به وقدارخی اللیل سدوله وغارت نجومه وهو فی محرابه یتململ تململ السلیم ویبکی بکاء الحزین

یا دنیا غیری غیری أبی تعرضت ام الی تشوقت هیهات هیهات لاحان حینك قد ابتتك ثلثالا رجعة لی فیك فعمرك قصیر وعیشك حقیر و خطرك یسیراه من قلة الزادوبعد السفر ووحشة الطریق»[2]

---

۱ محمد نافع : رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ ۔ مطبوعہ مکہ بکس ۔ لاہور ۱۹۷۹ء

محمد علی حسین ... فضائل صحابہ و اہل بیت ۔ مطبوعہ شبیر برادرز ۔ لاہور ۱۹۸۷ء

محمد عبد الشکور فاروقی : سیرت خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین ۔ مطبوعہ مجلس نشریات اسلام ۔ کراچی

۲ تقی لسان الملک ۔ میرزا محمد ۔ ناسخ التواریخ (جلد ہشتم ۔ زندگانی امام حسن مجتبیٰ) ۔ مطبوعہ انتشارات امیر کبیر ۔ قم س ن ۔ ص ۱۳۴ ۔ ۱۳۵

ہاشم الحسینی البحرانی ۔ السید ۔ حِلیةُ الاَبرار فی فضائل محمّدٍ و آلهِ الاَطهار (جلد اول) ۔ مطبوعہ ... قم ۱۳۹۷ھ ۔ ۱۹۷۷ء ۔ ص ۳۳۸

"درجملہ میگوید سوگند باخدای حقیقت و حشمت علی را ہیچ آفریدۂ پی نبرد و نیر و مندی اورا ہیچ خردمندی ادراک نتواند سخن بحق کند و حکم بعدل راندینا بیع علوم ربانی بزبان اوسیلان نماید و حکمتہای یزدانی ازان حامی او تنطق فرماید از خورش و خوردنی آنرا پسندد کہ درشت و ناگوار باشد واز جامہای پوشیدنی آنرا پذیرد کہ کوتاہ و نارسا بود سوگند باخدای کہ ہرگز اورا بحاجتی دعوت نکردیم جز اینکہ اجابت کرد وبمالی سؤال نمودیم اِلّا آنکہ عطا فرمود سوگند باخدای بلما تقرب میجوید و مارا بقربت خویش میخواند اوازھول وھیبت و ثقل حشمت او ابتدا بسخن نتوانیم کرد و او با ظہور بشاشت چہرہ وکشادگی جبین اھلِ دین را عزیز میدارد و مساکین را مستغنی میفرماید و پدر مردگان و درویشانرا روزی میرساند و مظلومان و برھنگان را داد میدھد ومیپوشاند و از دنیا و زینت دنیا پرہیز دوبا شبہای تار یار میگردد گویاکہ من درحضرت اویم گاھی کہ شب سرا پردہ سیاہ گستریدہ و ستارگان درسیاھی روی خود نہفتہ و علی در محراب چون مرد مارگزیدہ برخود پیچان و مانند محزونان گریانست و میفرماید

اے دنیا ! مرا فریب نتوانی داد و غیر مرابفریب آیا خویشتن را برمن عرضہ میدہی وبسوی بمن مطلع و مشرف میشوی دور شوازمن کہ وقت تو منقضی شد چہ من تو راسہ طلاق گفتم و ازبرای من بسوی تو رجعت نتواند بود ھمانا عمر تو کوتاہ و زندگانی تو اندک و شان تو پست است آہ ازقلت زادو درازی سفر و ھولناکی راہ چون سخن بدینجا آورد معاویہ بگریست وگفت خداوند رحمت کند ابوالحسن راکہ او چنین بود"۔ ۱

ترجمہ ۔ "وہ (علی المرتضیٰ) بلند حوصلہ ، نہایت قوی اور امین تھے ، فیصلہ کُن بات کہتے تھے ، عادلانہ فیصلے کرتے تھے ، ان کے ہر سمت سے علم پُھوٹتا تھا ، اور حکمت ٹپکتی تھی ، دنیا اور اُس کی دِلفریبیوں سے متنفر تھے ۔ رات کی تاریکی میں اُس کی وحشت سے (گھبرانے کے بجائے) اُنس رکھتے تھے کیونکہ وہ قائم اللّیل اور عابد شب زندہ دار تھے ، عبرت پذیر اور بہت غوروفکر کرنے والے تھے ۔ مختصر لباس اور سادہ کھانا پسند فرماتے تھے ۔ ہم میں ہم ہی لوگوں کی طرح رہتے تھے ، جب ہم کچھ پوچھتے تھے تو اُس کا جواب دیتے تھے ، وُہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے ، اور خود ہمارے قریب رہتے تھے ، غریبوں کو مقرب بناتے تھے ۔ لیکن ہم لوگ اُن کی ہیبت سے کُھل کر گفتگو نہ کر سکتے تھے ، وُہ صاحبان دین و تقوٰی کی تعظیم کرتے تھے ، اُن کے سامنے طاقتور باطل کی طمع نہیں رکھ سکتا

۱۔۔۔۔ ناسخ التواریخ (جلد ہفتم) : ص ۱۳۴ ۔ ۱۳۵

تھا، اور کمزور انصاف سے مایوس نہیں ہوتا تھا ۔ بعض مواقع پر مَیں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رات گذر رہی ہے ، ستارے جھلملا رہے ہیں ، اور وُہ اپنی داڑھی مٹھی میں دبائے مارگزیدہ کی طرح بے قرار اور غم رسیدہ کی طرح اشک بار ہوکر کہہ رہے ہیں ، اے دُنیا! کسی اور کو فریب دے ! تُو مجھ سے اٹکاوٹ کر رہی ہے ، میری مُشتاق ہے ۔ افسوس افسوس مَیں نے تجھے تین طلاقیں دیں ، تیری عُمر تھوڑی اور تیرا مقصد حقیر ہے ، ہائے ہائے سفر طویل ،راستہ وحشت ناک اور زادِ سفر قلیل ہے ۔

یہ اوصاف سُن کر امیر معاویہؓ رو دیئے اور کہا : "خُدا ابُوالحسن (علیؑ) پر رحم کرے ۔ بخدا وہ ایسے ہی تھے"۔ ۱

نامزدگی اور امیر معاویہؓ

اگرچہ یزید کی نامزدگی کو روزِ اوّل سے لے کر آج تک چودہ صدیاں گذر جانے کے بعد کسی نے جائز نہیں سمجھا اور نہ ہی حضرت امیر معاویہ کے اِس اقدام کی کسی جانب سے بھی تائید ہوئی ہے ، تاہم ایک پہلو جو اکثر مؤرخین اور مخالفین کی نگاہوں سے اوجھل رہا وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ اپنی زندگی میں مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور مشاجرات کو دیکھتے ہوئے خائف تھے کہ اگر اس مسئلہ کو معلّق چھوڑ دیا گیا تو اس پر زبردست کُشت و خُون کا احتمال ہے اور مختلف قسم کے تعصبات بالخصوص قبائلی تعصبات کے بھڑکتے ہوئے الاؤ میں کسی شخص پر اتفاق رائے مشکل تھا ۔ بنُو اُمیہ جو برسرِ اقتدار تھے اُن میں بھی خلافت کے مسئلہ پر اتفاق کی صُورت نظر نہیں آ رہی تھی ۔ اِس لئے اُنہوں نے بدلے ہوئے حالات میں سیاسی حکمتِ عملی کے طور پر اس مسئلہ کا حل مناسب سمجھا اور یہ جانتے ہوئے کہ اُن کی ذات آگے جا کر ہدفِ مطاعن و تعریضات بنے گی ، اُنہوں نے اضطراری طور پر اس غیر جمہوری راستے کو اختیار کر لیا ۔ تاہم اس امر کی خاص طور پر تاکید کی بلکہ اپنے وصیّت نامہ میں تحریر کیا کہ امام حُسینؓ کے ساتھ رِفق و ملاطفت کو پیشِ نظر رکھ کر حُسنِ سلوک کرنا ۔ ہم نے گذشتہ اوراق میں اس وصیّت کی تفصیلات پیش کی ہیں ۔ یہاں اس وصیّت کی اہمیّت کے پیشِ نظر متعلقہ فقرات اصل مآخذ سے درج کئے جاتے ہیں :

۱..... روضۃ الناظر جلد ۲۔ ص ۲۱۲۔ بحوالہ تاریخ اسلام (حصہ اول)۔ از شاہ معین الدین احمد ندوی۔ مطبوعہ معارف پریس۔ اعظم گڑھ ۱۳۸۲ھ۔ ۱۹۶۳ء۔ اشاعت چہارم۔ ص ۳۷۷۔ ۳۷۸

وَالرَّابِعُ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فَاِنَّ النَّاسَ تَدْعُوْهُ حَتّٰى يَخْرُجَ عَلَيْكَ فَاِنْ ظَفَرْتَ بِهٖ فَاحْفَظْ قَرَابَتَهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاعْلَمْ يَابُنَيَّ اِنَّ اَبَاهُ خَيْرٌ مِّنْ اَبِيْكَ وَجَدَّهٗ خَيْرٌ مِّنْ جَدِّكَ وَاُمَّهٗ خَيْرٌ مِّنْ اُمِّكَ وَلِلْمَرْءِ مَا بِقَلْبِكَ وَ هٰذِهٖ وَصِيَّتِيْ اِلَيْكَ وَالسَّلَامُ وَطَوَى الْكِتَابَ وَسَلَّمَهٗ لِلضَّحَاكِ بْنِ قَيْسٍ الْفِهْرِيِّ وَاَمَرَهٗ اَنْ يُّسَلِّمَهٗ اِلٰى وَلَدِهٖ ثُمَّ اِنَّهٗ لَمْ يَلْبَثْ حَتّٰى هَلَكَ وَذٰلِكَ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ رَجَبٍ سَنَةَ سِتِّيْنَ مِنَ الْهِجْرَةِ وَضَجَّتْ دِمِشْقُ لِمَوْتِهٖ۔[1]

(امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی عدم موجودگی میں وصیّت لکھواتے ہوئے دیگر امور کے علاوہ چار آدمیوں کا ذکر بھی کیا کہ وُہ یزید کے مقابلہ میں شاید آ جائیں تو ان سے مقابلہ کے وقت اے یزید تجھے کیا کرنا چاہیئے۔ یہ تحریر کیا۔ ان چار میں سے ایک امام حُسینؓ بھی تھے، ان کے بارے میں وصیّت لکھی)

"چوتھے آدمی حُسین بن علی ہیں، جن کو کوفی لوگ دعوت دیں گے۔ حتّٰی کہ وہ (حُسینؓ) تجھ پر خروج کریں گے۔ تو اگر تُم ان کو پکڑنے اور شکست دینے میں کامیاب ہو جاؤ، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی قرابت ضرور ذہن میں رکھنا۔ بیٹا! تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ حُسینؓ کا باپ تمہارے باپ سے، اُن کے نانا تمہارے نانا سے، اُن کی والدہ تمہاری والدہ سے کہیں بہتر ہیں اور آدمی کے لئے وہی ہے، جو تمہارے دل میں ہے۔ والسّلام

اس کے بعد وصیّت نامہ لپیٹ کر بند کر دیا، اور ضحاک بن قیس الفہری کے سپرد کرتے ہوئے حکم دیا کہ یہ وصیّت نامہ میرے بیٹے کو دے دینا۔ اس وصیّت کے بعد حضرت امیر معاویہ بہت جلد دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہ رجب کی پندرھویں رات ۶۰ ہجری کا واقعہ ہے۔ پورا دمشق امیر معاویہ کی موت پر کانپ اُٹھا"۔

---

[1] لوط بن یحییٰ: مقتل ابی مخنف فی مقتل الامام ابی عبداللہ الحسین (مقدمہ) مطبوعہ مطبع الحیدریہ۔ نجف ۱۳۷۵ھ۔ ۱۹۵۶ء۔ ص ۸

ایک قابلِ غور نکتہ

حادثۂ کربلا کے زہرہ گداز، جگر پاش اور دردناک واقعات پڑھ کر ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اہلِ کوفہ نے جناب امام علیہ السّلام کے مقام و مرتبہ اور عزّت و عظمت کو جانتے کے باوجود آپ کے دُشمنوں کا ساتھ دیا اور مقابلے میں صف آرا ہو گئے؟ حالانکہ اُس دَور میں صحابہ کی خاصی تعداد موجود تھی اور اُنہی کی طرف امام عالی مقام نے اشارہ بھی کیا، اگر تم میری عظمتوں کو نہیں جانتے تو صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ و سلم سے پوچھو۔ صحابہؓ کے علاوہ تابعینؒ کی کثیر تعداد بھی موجود تھی۔ پھر دعوت دینے والوں نے کیوں بد عہدی کی اور کیوں منہ پھیر لیا۔ اِس کا جواب معلوم کرنے کے لئے حال کو ماضی کے آئینے میں دیکھنا ضروری ہے۔ تاریخ ایک بہت بڑا سبق سکھاتی ہے اور بتاتی ہے کہ جہاں اعداؤ معاندین نے مقابلہ کیا اور منافقین نے کِین و دروغ سے کام لے کر اپنا اُلو سیدھا کیا وہاں ہمدرد اور موافقین کے جذباتِ تعاون و ایثار بھی سرد پڑ گئے۔ کیونکہ خواہشاتِ نفسانی کی کشش اور مادّی منفعت کے لالچ نے شرفِ انسانیت کی تمام اقدار کو گدلا دیا تھا۔

آپ نے سانحۂ کربلا میں جناب مُسلمؓ کے کوفہ میں ورود اور اس کے ساتھ ہزار ہا مسلّح لوگوں کی حمایت کا تذکرہ پڑھا ہو گا، بلکہ یہ بھی نوٹ کیا ہو گا کہ کم و بیش اٹھارہ ہزار اور بروایتِ دیگر چالیس ہزار کوفیوں نے امام مُسلمؓ کی قیادت میں دارُالامارت (گورنمنٹ ہاؤس) کا محاصرہ کر لیا تھا۔ مگر ابنِ زیاد کی عیّاری اور مکّاری نے سردارانِ قبائل کو نوجوانوں سے کاٹ دیا اور مادّی منافع کے انقطاع کا خطرہ اور وظائف کی بندش کی دھمکی دے کر امام مُسلمؓ کے تمام سربکف مُتّبعین کو بھی تذبذب میں ڈال دیا۔ تخویف اور ترھیب کے ساتھ حرص و طمع کی ترغیب نے بڑا کام کیا۔ الغرض ابن زیاد اپنی چال میں کامیاب ہو گیا اور امام مُسلم یکّہ و تنہا رہ گئے۔ علاوہ ازیں دُشمن کی عیّاری کے مقابلے میں امام مُسلم نے عفوو درگذر کی جواں مردانہ صفات کی بنا پر ابنِ زیاد کو اُس وقت بچ کر جانے دیا جب وہ مکمّل طور پر اُن کے نرغے میں آچکا تھا۔ امام مُسلمؓ دیوان خانہ ہانی بنَ عروہ کے مُتّصل ایک کمرہ میں ایک اسکیم کے ماتحت اس لئے بٹھائے گئے تھے کہ جب ابنِ زیاد، شریک بن اعور کی عیادت کے لئے آئے تو بے خبری میں اُس کا کام تمام کر دیں۔ مگر قابو میں آجانے کے باوجود امام مُسلم نے ابن زیاد کو صحیح اور سالم واپس جانے دیا، جب پوچھا گیا کہ دُشمنِ خدا و رسول اور دُشمن اہلِ بیتِ رسول

کو آپ نے زندہ و سلامت کیوں جانے دیا حالانکہ وہ آپ کے قتل کا حکم دے چکا تھا ، تو انہوں نے جواب دیا کہ "ہم اہلِ بیت ، دھوکہ اور فریب دہی سے نفرت کرتے ہیں" اور بموجب حدیثِ رسول "کوئی مسلمان دُوسرے مسلمان پر چھپ کر حملہ نہ کرے"۔ دُشمن کو بے خبری میں قتل کرنا جواں مردی نہیں ہے۔

اس واقعہ سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ ایک طرف شرافت ہے ، اُس کے مقابلے میں مکمل خباثت ، ہر قسم کے داؤ پیچ کو کام میں لاکر مطلب برآری کے لئے موجود ہے۔ نتیجتاً عالمِ چون و چند میں شرافت ہی شکست کھائے گی ۔ ہم اپنے دَور میں دیکھ رہے ہیں کہ الیکشن میں دھن دھونس دھاندلی سے باطل کامیاب ہو جاتا ہے اور بے سازو یراق شرافت ناکام رہتی ہے ۔ اس کشمکش میں فراستِ مومنانہ باطل کے توڑ کے لئے مکمل منصوبہ بندی کی ہدایت کرتی ہے ۔ بہر حال اخلاقی ، رُوحانی اعتبار سے امام مُسلمؓ کا پلڑا بھاری ہے اور وہ کامیاب ہیں ۔ لیکن عالمِ اسباب میں دُشمن کے مقابلے میں عفوِ بے جا کا نتیجہ کچھ اور ہی مرتب ہوتا ہے ۔ بظاہر ابنِ زیاد اور یزید کامیاب رہے اور شرافت بے سازو یراق کے پیکر امام مُسلم ناکام رہے ، مگر رُوحانی اقدار کا فتویٰ اس عالَم میں بھی یہی ہے ؎

نہ زیاد کا وہ ستم رہا نہ یزید کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حُسینؓ کا جِسے زندہ رکھتی ہے کربلا

ایک عبرت آموز واقعہ

ہم نے گذشتہ اوراق میں کوفیوں کے دعوت ناموں کے ذریعے اُن کی تائید و حمایت اور اخلاص و جاں نثاری کے جذبات کو استبدادی طاقت کے دباؤ اور مادّی مفادات کے لالچ سے یکسر بدلتے دیکھا ہے ، بلکہ یہی لوگ جو حمایت کا دم بھر رہے تھے ، مقابلے میں آگئے ۔ اپنی منافقانہ کارستانیوں اور ذلت آمیز ستم رانیوں کا پردہ اُس وقت فاش ہُوا جب اِن لوگوں نے امام عالی مقام اور آپ کے جاں نثاروں کو شہید کرنے کے بعد نفسِ لوّامہ کی تحریض پر توّابین کا روپ دھارا اور پھر اپنے انجام کو پہنچے ۔

بندگانِ حرص و آز اور طالبانِ متاعِ غرور ، انقلابِ زمانہ کے ساتھ جیسے رنگ بدلتے ہیں وُہ تاریخ کے ہر دَور میں نمایاں ہے ۔ ہم نے حادثۂ کربلا کے تذکرے میں اس امر کو واضح کیا ہے کہ تخویف و ترہیب اور طمع و تحریص سے لوگ وفاداریاں بدل لیتے ہیں ۔ اس کا مضحکہ خیز نمونہ ہم آج کل کے لیل و نہار میں بھی دیکھ رہے ہیں ۔ لوگ وزارت ، مشارت کے لالچ میں اپنے اُصول قربان کر دیتے ہیں ۔ اپوزیشن میں بیٹھ کر خُفیہ طور پر ع "نرخ بالاکن کہ ارزانی ہنوز است" ضمیر کے سودے کرائے جاتے ہیں ، بعض کم تر قیمت پر بِک جاتے ہیں ۔ الغرض انسانی ضمیروں کا نیلام وزارت کی منڈی میں ہوتا رہتا ہے ۔ کچھ پلاٹوں پر قانع ہو جاتے ہیں اور کچھ الاٹمنٹ پر اور اکثر ایسے ہیں جو جھوٹے وعدوں پر منتظرِ فردا رہتے ہیں ۔ ہم نے بھی اپنی سیاسی زندگی میں کئی بار اس قسم کے تماشے دیکھے ہیں ۔ بقول حضرت علامہ

؎ شیاطینِ ملوکیّت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوقِ نخچیری[1]

جُون ۱۹۵۵ء میں پاکستان کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی (Constituent Assembly) کو گورنر جنرل غلام محمد (م ۔ ۱۹۵۸ء) نے توڑ دیا اور نئے انتخابات کا اعلان کر دیا ۔ پنجاب سے مجلسِ آئین ساز کے ممبر کو منتخب کرنے کے لئے صُوبائی اسمبلی کے کم از کم سات ممبروں کی ضرورت پڑتی تھی ۔ احباب کے تقاضا پر کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کی رکنیّت کے لئے مَیں نے کاغذاتِ نامزدگی داخل کر دیئے ۔ مولانا سیّد محمد داؤد صاحب غزنوی (م ۔ ۱۹۶۳ء) نے میرے دوستوں کو ترغیب دی ، بلکہ خود وہی اس کے محرّک بنے کہ مجھے آئین ساز اسمبلی میں ضرور بھیجا

١...... ارمغانِ حجاز ، ص ٢٦٢

جائے ۔ دس ممبرانِ پنجاب اسمبلی نے (بدیں الفاظ پنجاب اسمبلی سے دستوریہ پاکستان کے بے نمائندگان کے انتخاب کے سلسلہ میں ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ مولانا عبدُالستار خان نیازی بہترین نمائندہ ہو سکتے ہیں ۔ ہم سب کے ووٹ ان کے لئے مخصوص تھے ۔ لیکن حکومت نے عین اس وقت جبکہ نیازی صاحب کے حق میں رائے بہترین صورت میں اُستوار ہو رہی تھی ، ان پر پابندی عائد کرکے پنجاب اسمبلی کی رکنیت سے محروم کر دیا ۔ حکومت کے رویّہ کو تقریباً تمام حلقوں میں ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا اور یہ محسوس کیا گیا کہ حکومت نے مخصوص مفاد کے پیشِ نظر نیازی صاحب کو دستوریہ میں جانے سے روک دیا ہے ۔ بہرحال ہم اب بھی یہی رائے رکھتے ہیں کہ نیازی صاحب پنجاب اسمبلی کی طرف سے بہترین نمائندہ دستوریہ پاکستان میں ہو سکتے ہیں ، اگر ان کو موقع دیا جائے تو ہمارے ووٹ ان کے لئے مخصوص ہوں گے ۔) میری حمایت کا اعلان کیا تھا ۔ اُن کو قابو کرنے کے لئے حکومتِ وقت نے ہر قسم کے ہتھکنڈے اور حِیلے استعمال کئے ۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی صاحب مرحوم کی حمایت حاصل کرنے کے لئے بھی اُن پر بہت دباؤ ڈالا گیا ، مگر اُنہوں نے جرأت و مردانگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مَیں مولانا نیازی کا نہ صرف مؤیّد ہوں بلکہ خود اُن کا نام بھی مَیں نے تجویز کیا ہے ۔ مولانا کے علاوہ نواب زادہ نصر اللہ خان صاحب نے بھی تائید و حمایت کا وعدہ فرمایا تھا جس پر وہ آخر دم تک قائم رہے ۔ لیکن باقی آٹھ حضرات برسرِاقتدار پارٹی کے ہتھکنڈوں کا شکار ہو گئے ۔ مَیں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ ہتھکنڈوں کی نوعیت کیا تھی ۔ تاہم جس خوشدلانہ اور رِضاکارانہ جذبے کے ساتھ اِن احباب نے میری تائید و حمایت میں دستخط کئے ، میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اُنہیں ایفائے عہد سے روک دیا جائے گا ۔ مگر جُونہی اربابِ حکومت کو علم ہُوا کہ دس ایم ۔ ایل ۔ اے صاحبان نے ہمیں مجلسِ آئین ساز میں بھیجنے کا تحریری وعدہ کر لیا ہے تو حکومت کے اَیوانوں میں کھلبلی مچ گئی ، اِن ممبران کو قابو کرکے میری حمایت سے باز رکھنے کے لئے ہر قسم کے حربے استعمال کئے گئے ۔ بعض دستخط کنندگان نے اپنی مجبوری ، معذوری اور بے ڈھب مشکلات کا تذکرہ کرکے معاہدہ کی پابندی سے آزاد ہونے کی درخواست کی ۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کو دستخطی بیان کے عِوض بہت کچھ مل گیا ، بعض کے ساتھ حکومت نے عہدو پیمان کئے اور بعض کے وارے نیارے ہو گئے ۔ بمصداق ع "حسابِ دوستاں دردل" مَیں نے اِن کی لغزشوں پر درگذر اور چشم پوشی سے کام لیا ۔ کیونکہ میرے سامنے سیّد الشہداء امام عالی مقامؓ کے ساتھ عہدو پیمان کرنے والے بے وفا دنیاداروں کی مثالیں موجود تھیں ۔ اس لئے مَیں نے بھی انسانی طبیعت کے رجحانات ، میلانات اور کمزوریوں کا خیال کرتے ہوئے اس بدعہدی پر صبرو سکون سے کام لیا ۔

بہر حال ان دس ارکان (ممبران لیجسلیٹو اسمبلی) میں سے مولانا سید محمد داؤد غزنوی[1] صاحب اور جناب نواب زادہ نصراللہ خاں صاحب دو اصحاب ایسے ہیں جنہوں نے عہدو وفا کی پابندی میں صِدق و صفا کی مثال قائم کی اور استقامت کا ثبوت دیا۔ اربابِ حکومت کی جانب سے بھاری معاوضہ کی پیش کش کرنے والوں کو دُھتکار دیا اور حکیمُ الاُمّت کے اس ارشاد سے

خودی کو نہ دے سیم وزر کے عوض　　نہیں شعلہ دیتے شرر کے عوض[2]

پر عمل پیرا ہوتے ہوئے حکومت کی پیش کش کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔[3]

اگر ہم تاریخ کو پیمانۂ اِمروز سے ناپیں تو معلوم ہو گا کہ حضرت امام عالی مقام کو کوفہ میں آنے کی دعوت دینے والے اپنے مخصوص مفادات (Vested Interests) کی خاطر حضرت امام کو آلۂ کار بنانا چاہتے تھے اور جو صدقِ دل سے اُن کی سیادت و قیادت پر ایمان رکھتے تھے، وہ بھی ابنِ زیاد کی عیاری اور مکّاری سے اپنے موقف پر بوجہ بیم و رجا قائم نہ رہ سکے اور یُوں حق و باطل کے اس معرکہ میں زر پرستوں، جاہ پرستوں اور اقتدار کے پُجاریوں نے اپنے ذاتی مفاد کو سامنے رکھا اور وقتی طور پر کامیاب ہوگئے۔

مَیں اپنی باون سالہ سیاسی زندگی میں کئی مدّوجزر دیکھ چکا ہوں۔ ۱۹۴۱ء میں نیشنل ڈیفنس کاؤنسل (National Defence Council) کے مسئلہ میں جب سکندر حیات، وزیرِ اعظم پنجاب (ف۔ ۱۹۴۲ء)، سر فضل حق، وزیرِ اعظم بنگال (ف۔ ۱۹۶۲ء)، سر محمد سعدُاللہ، وزیرِ اعظم آسام (ف۔ ۱۹۴۳ء) وغیرہ نے قائدِ اعظم رحمتہُ اللہ علیہ کے واضح، صاف اور غیر مبہم موقف سے انحراف کرتے ہوئے وائسرائے کی قائم کردہ نیشنل ڈیفنس کاؤنسل میں شامل ہو گئے تو اُس وقت مَیں نے پنجاب کے نوجوانوں کی قیادت کرتے ہوئے وزیرِ اعظم پنجاب کا مقابلہ کیا، مظاہرے کئے، جلسے منعقد کئے اور کانفرنسوں کے ذریعے اس کی غدّاری کو طشت ازبام کیا اور بالآخر ۲۴۔ اگست ۱۹۴۱ء کو ہماری جِدّوجُہد کے نتیجے میں سر سکندر حیات نے نہ

١..... حکیم آفتاب احمد قرشی اپنی تالیف "کاروان شوق" مطبوعہ ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب (پنجاب یونیورسٹی) لاہور ۱۹۸۴ء میں رقم طراز ہیں:۔

"مولانا داود غزنوی پنجاب اسمبلی کے رکن تھے اور اس حیثیت سے ان کا ووٹ تھا۔ اس انتخاب میں بڑے بڑے سرمایہ دار اور جاگیردار امیدوار تھے۔ امیدوار مولانا کی خدمت میں کورے چیک لے کر حاضر ہوئے مگر مولانا داود غزنوی نے کہا کہ ان کا ووٹ ایک مجاہد دین مولانا عبدالستار خاں نیازی کے لئے وقف ہے۔"

(کاروان شوق: ص ۵۰۲)

۲..... بال جبریل: ص ۱۶۰

۳..... محمد عبدالستار خان نیازی: ہوتا ہے جادہ پیما (قلمی مسودہ)

صرف نیشنل ڈیفنس کاؤنسل سے استعفٰے دے دیا، بلکہ قائدِ اعظم سے معافی بھی مانگ لی[1]۔ یہ دَور ایسا تھا جب کہ سارا پنجاب میرے اس کارنامے کی تعریف میں رطب اللّسان تھا، اور خراجِ تحسین پیش کر رہا تھا۔

قیامِ پاکستان کی تحریک میں بلادِ برِّصغیر میں دورے کر کے مطالبۂ پاکستان کے لئے میدان ہموار کیا۔ ۱۹۵۲ء میں بُنیادی اُصولوں کی بی پی سی رپورٹ[2] (Basic Principle's CommitteeReport) جب منظرِ عام پر آئی تو اس کے مقابلے میں مکمّل مسوّدۂ آئینِ خلافتِ پاکستان پیش کیا، جو ملک کے اُردو انگریزی اخبارات میں شائع ہُوا۔ کتاب و سُنّت کی بالا دستی کی وضاحت میں ختمیّتِ احکامِ رسالت کی پابندی لازم قرار دی۔ اسی کے متّصل ۱۹۵۳ء میں تحریکِ تحفّظِ ختمِ نبوّت میں جو خدمات سر انجام دیں وُہ تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔ اپنے مقصد کے حصُول کے لئے دار و رسن تک پہنچا، سزائے موت سنائی گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ سارا ملک اس خاکسار کی مقبولیّت اور محبُوبیّت کا قائل تھا۔ ۱۹۵۶ء میں تدوینِ آئین کے موقعہ پر اپنی بساط سے بڑھ کر کام کیا۔ ۱۹۶۳ء میں ملک کے دیگر نو سیاسی راہنماؤں کے ساتھ کراچی مقدمۂ بغاوت کا سامنا کرنا پڑا، زندان و سلاسل کے مراحل سے بھی گذرنا پڑا۔ ہر دَور میں آمروں، مطلق العنان حکمرانوں کے مقابلے میں صف آرا رہا۔ گورنرِ پنجاب کالا باغ نے میکلوڈ روڈ، لاہور، داؤد خیل، موسٰی خیل اور اڈہ لاریاں کالا باغ میں چار بار قاتلانہ حملے کرائے، مگر ہمارے پائے استقامت میں لرزش پیدا نہ ہوئی۔ ۱۹۷۶ء کے دورِ آمریّت میں مجھ پر قاتلانہ حملہ ہُوا۔ ۱۹۷۷ء میں تحریکِ نظامِ مصطفٰی کے لئے قید و بند کی مصیبتیں برداشت کیں اور آج تک مسلسل باطل قوّتوں کے مقابلے میں صف آرا ہوں۔ یہ ساری جِدّوجُہد محض حصُولِ رِضائے الٰہی کے لئے تھی۔ اس لئے اب بھی اپنے قلندرانہ موقف پر قائم ہوں۔ باون سال سارے ملک بالخصُوص پنجاب اور لاہور کی ہر عوامی جِدّوجُہد میں شاملِ حال رہا اور کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ مَیں نے اس ساری جِدّوجُہد میں کسی سے کوئی مالی امداد حاصل کی ہو۔ مگر باوجود اس کے ۱۹۴۶ء، ۱۹۵۱ء، ۱۹۶۲ء، ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں اپنے ضِلع کے حلقہ سے امیدوار رہا۔ لاہور کے کسی حلقہ سے مجھے الیکشن کے لئے دعوت نہیں دی گئی اور آج بھی جب کہ الیکشن سر پر ہے، سوائے سابقہ حلقہ کے کسی

۱..... زاہد حسین انجم: اردو جامع انسائیکلوپیڈیا (جلد اول)۔ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور ۱۹۸۷ء۔ ص: ۷۶۷

۲..... پاکستان کے مستقل آئین کی ترتیب کے سلسلہ میں ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس نے پارلیمنٹ میں اپنی رپورٹ پیش کرنی تھی۔ رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی تو اس پر مَیں نے ایک مفصل بیان جاری کیا اور ساتھ ہی مسودہ آئین بھی اخبارات میں شائع کرایا۔

دُوسرے علاقے کے لوگوں نے اپنے حلقے سے الیکشن لڑنے کے لئے مجھ سے درخواست نہیں کی ۔ اب اگر مَیں لاہور سے کسی حلقے میں انتخاب کے لئے کھڑا ہو جاؤں تو مقابلے میں آتے ہوئے کسی کو اس امر کا خیال نہیں آئے گا کہ ہماری سابقہ سرفروشانہ خدمات کی کیا اہمیّت ہے ۔ میانوالی میں بھی جو لوگ مخالف ہیں اُن سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں اور نہ ہی کسی دُنیوی معاملے میں اُن سے کوئی مخاصمت پیدا ہوئی ہے ، میری سرفروشانہ سیاسی زندگی اُن لوگوں کے لئے بھی ناقابلِ برداشت ہے ۔ بلکہ کل تک (گذشتہ الیکشن ۱۹۸۵ء میں) ، جو لوگ میرے حوالے سے بطور ادنٰی کارکن الیکشن میں کامیاب ہوئے تھے ، آج وہ اُسی حلقہ سے میرے سامنے آگئے ہیں ۔ لاہور میں کسی جگہ سے بلامقابلہ منتخب نہیں ہونے دیں گے ، اس کی دُوسری وجہ یہ ہے کہ عوام سے رابطہ منقطع ہو جانے کی وجہ سے سابقہ خدمات ذہنوں سے محو ہو جاتی ہیں ۔ نیز ملّت کی اجتماعی زندگی میں خلل و انتشار پیدا ہو جانے پر عوام پر جماعتوں کی گرفت ختم ہو جاتی ہے اور محبوب و مقبول زعماء ملّت کے فضائل و کمالات سے لوگ بے بہرہ رہ جاتے ہیں ۔

مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ معمّر حضرات میری تعظیم کرتے ہیں ، میری جدّوجہد سے واقف ہیں اور نیک نامی سے یاد کرتے ہیں ، مگر وہ تنظیم نہ ہونے کی وجہ سے غیر مؤثر ہیں ۔ اگر مَیں لاہور میں وسیع پیمانے پر اپنی خدمات کا چرچا کروں تو کئی لوگ ہمنوا ہو جائیں گے ۔ مگر نئی نسل ہمارے ماضی سے ناواقف ہے ، اِس لئے یہ لوگ ہر حلقہ میں خود آگے آنا چاہتے ہیں ۔ حالات بدل گئے ہیں اور حق و باطل کی پرکھ کے پیمانے بھی وہ نہیں رہے جو ماضی میں تھے ۔

مَیں نے یہ تفصیل اِس لئے بیان کی ہے کہ ماضی میں بھی لوگوں کا وطیرہ کچھ اسی نوعیّت کا تھا ۔ نئی نسل کو کیا معلوم کہ تحریکِ پاکستان ، تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّت اور تحریکِ نظامِ مصطفٰی میں ہماری خدمات کیا تھیں ، انہیں تو صرف اپنے مفاد سے غرض ہے ۔ مجھے بعض اوقات لوگوں کو اپنے ماضی سے آگاہ کرنا پڑتا ہے ۔

تشبیہ بلامشبّہ اگر کوفیوں نے جناب امام علیہ السّلام کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہچانا تو یہ موقعہ پرستوں کی پُرانی روش ہے ۔ سیّدالشّہداءؓ نے مؤثر انداز میں اپنا تعارف کرایا اور اس کے لئے مشہور صحابہؓ کو بطورِ گواہ پیش کیا ، اِس کے باوجود دُنیا پرستوں نے اصلاحِ احوال کی جانب توجہ مبذول نہ کی ۔ اُن کی اس طینت کو بے نقاب کرتے ہوئے آپ نے اپنے خُطبہ میں دُنیا کی بے ثباتی اور ان طالبانِ دنیا کی ابن الوقتی کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا :۔

"معاملہ کی جو صُورت ہو گئی ہے تم دیکھ رہے ہو ، دُنیا نے اپنا رنگ بدل دیا ۔

منہ پھیر لیا، نیکی سے خالی ہو گئی ۔ ذرا سی تلچھٹ باقی ہے ، حقیر سی زندگی رہ گئی ہے ۔ ہولناکی نے احاطہ کر لیا ہے ۔ افسوس دیکھتے نہیں کہ حق پس پُشت ڈال دیا گیا ؟ باطل پر اعلانیہ عمل کیا جا رہا ہے ، لیکن کوئی ہے جو اس کا ہاتھ پکڑے ۔ وقت آگیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں لقائے الٰہی کی خواہش کرے ۔ مَیں شہادت ہی کی موت چاہتا ہوں ۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود جرم ہے"۔ ا

اِس پر بھی اُن کی غلامانہ ذہنیت میں کوئی تبدیلی نہ آئی ۔

حضرت امام عالی مقام کی چھپّن سالہ حیاتِ طیّبہ میں خلافتِ راشدہ کا پُورا دَور شامل ہے ۔ پھر اپنے والد ماجدؓ اور برادر بزرگوارؓ کی شہادت کے بعد کئی سال امیر معاویہؓ کے زمانہ میں اکثر سربر آوردہ شخصیّات میں صحابہ اور تابعین آپ سے ملتے رہے ۔ ظاہر ہے اُن کی عظمت اور تقدّس کا حال سب پر واضح تھا ، مگر معاشرہ میں دُنیا کی طلب اور جاہ و منصب کے حصُول نے معیار بھی زمانہ سازی کے مطابق بنا دیئے تھے ۔ اندریں حالات زمانہ نے اگر حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کے گورنر ابن زیاد کے بیٹے عبیدُ اللہ کو جو آپ کے خانوادہ میں ایک غلام کی حیثیت رکھتا تھا ، آپ کا مدِمقابل بنا دیا تو سوائے خود غرضی اور جاہ طلبی کے اور کوئی وجہ نہیں ہوسکتی ۔ بروایت طَبری وہ اپنے آپ سے ہمکلام ہوتے ہوئے کہتا ہے کہ "امام حُسین کا مقابلہ گناہِ عظیم ہے ، اُن کے قتل کے درپَے ہونا ناقابل معافی جُرم ہے ، مگر کوفہ کی گورنری بھی ہر روز نہیں ملتی ۔ مَیں گورنری کی خاطر سب کچھ کر گزروں گا ، بعد میں توبہ کر لوں گا"۔ یہی جذبات عمرو بن سعد کے تھے ۔ اس نے اپنے بھانجے حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ کے مخلصانہ مشورہ کو قبول نہ کیا ، اور امام حُسین علیہ السّلام کے مقابلہ پر ڈٹ گئے ۔ باوجود اس شقاوتِ قلبی کے ضمیر نے اسے ملامت کی ۔ بجائے اس کے کہ اصلاح احوال کی جانب متوجہ ہوتا ، اس نے سنگین جُرم کے ارتکاب کے وقت خود فریبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ شعر کہے ؎

أأترُكُ مُلكَ الرَّیِّ والرَّیُّ رَغبَةً
أم ارجِعُ مَذمُومًا بِقتلِ حُسَینِ

کیا میں رَے کی حکومت چھوڑ دوں؟ اور رَے تو مجھے مرغوب ہے ۔ یا حُسین کے قتل سے مذموم ہو کر واپس آؤں ۔

ا...... شہادت حسین علیہ السلام : ص ۲۰

مضامین بحر العلوم مرتبہ محمد احمد مصباحی ۔ مطبوعہ مفتی پبلی کیشنز ۔ مبارکپور ۔ انڈیا ۱۹۸۷ء ۔ ص ۱۸۸

وَفِیْ قَتْلِهِ النَّارُ الَّتِیْ لَیْسَ دُوْنَهَا
حِجَابٌ وَّ مُلْکُ الرَّیْ قُرَّۃُ عَیْنِ[1]

ان کے قتل کی سزا وہ آگ ہو گی جس کے آگے کوئی حجاب نہ ہو گا اور رَے[2] کی حکومت میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

دیکھئے! ابلیس لعین کے اغوائے شیطانی نے اسے کِس قعرِ مذلت میں گرا دیا تھا۔ علیٰ ھٰذا القیاس ابنِ سعد جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خالِ مکرّم، مستجاب الدّعوات، فاتحِ ایران، سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (شامل عشرہ مبشرہ) کے صاحبزادے ہیں اور اَہلِ بیتِ رسُول کے غلام بے دام کی زندگی گزارتے رہے ہیں، خود مصالحت کی کوشش میں حضرت امام کے موقف کی صحت کا اقرار کرتے ہیں اور غیر مشروط بیعت کو امام حُسین کی غیرتِ مومنانہ کی توہین قرار دیتے ہیں۔۔۔ محض اپنی نائب گورنری کو بچانے کی خاطر بالآخر مقابلے میں ڈٹ جاتے ہیں۔۔ اور شمرِ لعین کو گواہ بنا کر کہتے ہیں۔"دیکھو پہلا تیر میں نے چلایا ہے"۔۔ یزید خود قریبی رشتہ دار ہے، اُمّ المؤمنین سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا برادر زادہ ہے، حصُولِ اقتدار کی خاطر جانی دُشمن بن گیا اور اپنے باپ کی وصیّت کے باوجود حُسنِ سلوک پر مائل نہ ہُوا۔ نیز شمر، ابن زیاد اور ابن سعد کے سنگدلانہ طرز عمل پر اُن کو سزا دینے کے بجائے انہیں مناصب پر بحال رکھنا ظاہر کرتا ہے کہ خدا و رسول کا اسے کوئی حیا نہ رہا تھا۔ خود شمرِ لعین جو حادثۂ کربلا میں ننگِ انسانیت کا کافرانہ کردار ادا کرتا ہے، اس کی پھوپھی اُمُّ البنین حضرت سیّد الشُّہداء کی سوتیلی ماں ہے اور اس کے چار لڑکے حضرت امام کے سوتیلے بھائی ہیں اور شمر کی جانب سے جاں بخشی کی ضمانت کے باوجود آپ پر جانیں قربان کر دیتے ہیں۔۔ یہ رشتے موجود ہیں مگر شمر زہریلا دُشمن بن جاتا ہے۔۔ ان سب کا معاندانہ رویّہ ثابت کرتا ہے کہ لوگوں نے بقول شاعر "متاع قلیل" کی خاطر دین و ایمان کو فروخت کر دیا تھا۔

رَأَیْتُ[3] النَّاسَ مُذْ خُلِقُوْا وَکَانُوْا
یُحِبُّوْنَ الْغَنِیَّ مِنَ الرِّجَالِ[4]

١۔۔۔۔ الکامل فی التاریخ (جلد چہارم): ص ٥٣. آئینہ قیامت: ص ٢٥

٢۔۔۔۔ رَے خراسان کا ایک علاقہ ہے جو تہران کے جانب جنوب مشرق میں تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

٣۔۔۔۔ جب سے لوگ پیدا کئے گئے میں نے دیکھا کہ وہ مالدار آدمیوں سے محبت کرتے آئے ہیں۔

٤۔۔۔۔ محمد شفیع. خان بہادر. قطفُ الاَزْہار، (حصہ منظومات). مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی. لاہور ١٩٤٥ء۔ طبع چہارم. ص ٨

ان تاریخی حوالوں کو سامنے رکھو اور فیصلہ کرو کہ کیا آج ہمارے معاشرہ میں یزیدیّت، ابن زیادیّت اور شمریّت کے ناپاک مظاہر موجود نہیں ۔ فلسفہ شہادتِ حُسین کی رُو سے حُسینیّت ایک مشن ہے ، تاقیامِ قیامت یہ مشن جاری رہے گا اور ہر دَور کے یزیدوں اور ابن زیادوں سے اس مشن کے علمبردار ٹکراتے رہیں گے ۔

کاش شیعہ و سُنّی اس نکتے کو سمجھ لیں اور واقعاتِ ماضی پر حادثہ کربلا کے انطباق کے بجائے اُسوۂ شبیری کو اپنے لئے مینارِ نُور بنا کر نعرۂ حق و صداقت بلند کرتے ہوئے مجاہدانہ کردار پیش کریں ۔

ستم ظریفی ملاحظہ ہو کر حادثۂ کربلا کو ابو مُسلم خراسانیؒ (م ۔ ۱۳۷ھ/۷۵۵ء) نے بنُو اُمیہ (۴۱ھ ۔ ۱۳۲ھ/۶۶۱ء ۔ ۷۵۰ء) کی سلطنت کو ختم کرنے کے لئے بطورِ حربہ مؤثر انداز میں استعمال کیا ۔ بنُو اُمیّہ کا تختہ اُلٹ گیا ۔ بنُو عباس (۱۳۲ھ ۔ ۶۵۶ھ/ ۷۵۰ء ۔ ۱۲۵۸ء) نے برسرِاقتدار آنے کے بعد خلافت کو ملوکیّت میں بدل دیا ۔ آج تک مختلف ادوار میں امام عالی مقام کی مظلومیّت کا چرچا کر کے ایوانِ اقتدار میں زلزلے پیدا کئے جاتے رہے ہیں ۔ نہ جانے کب تک یہ روش قائم رہے ۔ مَیں محبانِ اہلِ بیت اور پرستارانِ امام عالی مقام کو بالخصوص اور مِلّتِ اسلامیہ کو بالعموم متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ حادثۂ کربلا کی اصل حقیقت لوگوں کے سامنے واضح کریں ۔ ملوکیّت ، لادینیّت اور غیر اسلامی نظام ہائے سیاست کو بدلنے کے لئے اُسوۂ شبیریؑ کی اِتباع کریں ۔۔۔اور خاص طور پر امتناعِ فرعونیّت (شرک اور ظلم کی ممانعت) ، امتناعِ قارونیّت (ظلم اور استحصال کی ممانعت) اور امتناعِ یزیدیّت (تلبیسِ دین اور منافقت کی ممانعت) کے سہ گانہ اُصول کو سامنے رکھ کر تمام اہلِ اسلام ، خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کے قیام کے لئے جِدّوجُہد کا آغاز کریں ۔ حادثۂ کربلا اس جِدّوجُہد کے لئے قوت محرّکہ ثابت ہو گا ۔ شیعہ سُنّی ، اختلافات سے بالاتر ہو کر اُصولی سیاست یعنی نفاذِ نظامِ مصطفیٰ کے لئے مل کر جِدّوجُہد کا آغاز کریں۔۔۔اور مذکورہ بالا ہر سہ اُصول کو مدِنظر رکھ کر اس امر کا اعلان کر دیں کہ وہ امتناعِ فرعونیّت ، امتناعِ قارونیّت اور امتناعِ یزیدیّت کو آئینِ پاکستان میں بطور سہ گانہ اُصول شامل کرا دیں گے ۔ یہاں پر ہر سہ اُصول کی وضاحت کی جاتی ہے :۔

۱..... عبداللہ سفاح نے عباسی حکومت کی بنیاد رکھی ۔ مگر اس کی حکومت قائم کرنے میں ابو مسلم خراسانی نے مرکزی کردار ادا کیا ۔ یہی وجہ ہے کہ سفاح کے دور میں ابو مسلم اعیان حکومت سے زیادہ بااختیار تھا ۔ سفاح اور ابو مسلم نے امویوں کو چن چن کر قتل کیا ۔ سفاح کے برسراقتدار آنے کے بعد ابو مسلم خراسانی نے ان تمام نقیبوں کا بھی صفایا کرا دیا جو عباسیوں کے مقابلہ میں علویوں کے طرفدار تھے ۔ سفاح کے بعد ابو جعفر منصور عباسی نے پہلے تو ابو مسلم خراسانی کی مدد سے اپنے چچا کی بغاوت فرو کی ۔ لیکن بعد میں جب اسے یقین ہو گیا کہ ایرانی اس کے وفادار نہیں ۔ بلکہ اپنی حکومت قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں ۔ تو اس نے ابو مسلم خراسانی کا کام بھی تمام کر دیا ۔

۱۔ اِمتناعِ فرعونیّت (شرک اور ظُلم کی ممانعت)

"سرکاری اختیارات یا سرکاری اختیار کے بہانے، یا انفرادی اقتدار سے کسی شخص یا گروہ کی آزادئ کردار پر کوئی پابندی سوائے آئین، قانون، یا معاہدۂ قانونی کی تعمیل کے عائد نہ کی جائے گی۔ عدالتِ متعلقہ ہر مقدمہ میں طے کرے گی کہ جبر کی نوعیت، مقدار، اور طریقہ کہاں تک جائز تھا۔

ہر شہری کو اختیار ہو گا اور اس کا فرض ہو گا کہ انفرادی اور اجتماعی کوشش سے ہر ایسی انسانی طاقت کا موزوں مقابلہ کرے جو اقتدار کو استبداد یا بیداد کی غرض سے استعمال کرے، بشرطیکہ متعلّقہ عدالت میں اقتدار کا ناجائز استعمال اور مقابلہ کے طریقہ کی موزونیت ثابت ہو جائے۔ قرآن میں شرک اور ظلم کی ممانعت اور فرعون کی مثال اقتدار کے ناجائز استعمال یا استبداد کا مفہوم واضح کر دیتی ہے۔

۲۔ اِمتناعِ قارُونیت (ظُلم اور اِستحصال کی ممانعت)

سرکاری دولت، سرکاری دولت کا اثر یا انفرادی دولت، کسی شخص کی دولت کی مقدار یا قیمت بڑھانے یا گھٹانے کے لئے استعمال نہ کی جائے گی۔ نہ ہی کسی شخص کے دولت کمانے کے امکانات پر کوئی پابندی حائل ہونے دی جائے گی۔ سوائے اس صُورت کے کہ آئین، قانون یا معاہدۂ قانونی کی تعمیل میں اس کی ضرورت محسوس ہو۔ عدالتِ متعلّقہ ہر مقدمہ میں طے کرے گی کہ آیا کسی اقتصادی کارروائی کی نوعیت، حدُود اور طریقے جائز ہیں یا نہیں۔

۳۔ اِمتناعِ یزیدیّت (تلبیسِ دین اور منافقت کی ممانعت)

اسلامی اصطلاحات کسی شخص، گروہ یا طبقہ کے غیر اسلامی اعتقادات، مفادات یا تجاویز کے تحفّظ، تقویت یا فروغ کے لئے استعمال نہ کی جائیں گی۔ عدالتِ متعلّقہ ہر مقدمہ میں فیصلہ کرے گی کہ آیا کسی قول، فعل یا رویّہ سے دین کی تلبیس کا ارتکاب ہوتا ہے یا نہیں۔

ہر شہری کو اختیار ہو گا اور اس کا فرض ہو گا کہ انفرادی اور اجتماعی کوشش سے ہر ایسی انسانی طاقت کا مقابلہ کرے جو اسلامی اصطلاحات کو ناجائز مقاصد کے لئے آڑ بنا کر استعمال کر رہی ہو، بشرطیکہ متعلقہ عدالت میں اسلام کا ناجائز استعمال اور مقابلہ کے طریقہ کی موزونیت ثابت ہو جائے۔

قرآن مجید میں منافقت کی ممانعت اور اسلامی تاریخ میں یزید کی مثال واضح کر دیتی ہے کہ اسلامی اصطلاحات کے اصل مفہوم سے ہٹ کر ان کے ناجائز استعمال کا مفہوم کیا ہے"۔ ۱

دعوتِ فکر

محبانِ اہلِ بیت، عزادارانِ حسینؑ اور اُمّت کے تمام غم گُسارانِ امام عالی مقام کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ حادثۂ کربلا کے اصل مُجرمین کی اسلام دُشمنی اور جمہوریت کشی کو سامنے رکھنے کے بجائے اُنہیں سابقہ ادوارِ خلافت کو زیرِ بحث لانا کیوں کر لازم و ناگزیر ہے۔ پھر جب عصرِ حاضر میں استحقاقِ خلافت کا مسئلہ اسلامی جمہوریہ ایران نے اپنے آئین میں طے کر لیا ہے اور خصُوصی دفعات میں آئین کے اندر درج کر دیا ہے تو اب اسے زیر بحث لاکر باہم آویزی اور افتراق و انشقاق کا باعث بنانا کہاں تک روا ہے۔ یہاں پر ہم اسلامیہ جمہوریہ ایران کے آئین کی متعلقہ دفعات کا اندراج ضروری سمجھتے ہیں جن کے بعد استحقاقِ خلافت کا مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے طے پا جاتا ہے۔

''درجمہوری اسلامی ایران امورِ کشور بایدبہ اتکاءآراء عمومی اداره شود، ازراہِ انتخابات، انتخاب رئیس جمہُور، نمایندگان مجلس شورای ملّی، اعضای شوراہا و نظائر اینہا''۔ یا ازراہ ہمہ پرسی درمواردی کہ دراصول دیگر ایں قانون معین می گردد۔

طبق دستور قرآن کریم: ''وأمرُهم شورىٰ بينهم'' و ''شاوِرهم فى الأمر''

(قانون اساسی جمہوری اِسلامی ایران: شائع کردہ وزارت ارشاد اسلامی، صفحہ ۲۳،۲۴)

In the Islamic Republic of Iran the affairs of the country should be conducted according to the general votes of the people

---

۱..... محمد عبدالستار خان نیازی: تحریک خلافت پاکستان. مطبوعہ چمان پرنٹنگ پریس. لاہور ۱۹۷۰ء. ص ۲۸-۲۹

either through electing a President of the Republic, Representatives of the Islamic Assembly, Members of the Councils, and so forth or through a referendum as provided in other articles of this Constitution. (Article 6).

According to the Qoranic injunctions, "Their affair being counsel between them" (42:38), take counsel with them in the affair," (3:159), Article 7: (Constitution of the Islamic Republic of Iran, Tehran, 1985 p:18)

يجب أن تدارشؤون البلاد فى جمهورية إيران الاسلامية بالاعتماد على رأى الأمة الذى يتجلى بانتخاب : رئيس الجمهورية وأعضاء مجلس الشورى الاسلامي وأعضاء سائر مجالس الشورى ونظائرها ، أوعن طريق الاستفتاء فى الموارد التى نصّ عليها الدستور -

طبقًا لماورد فى القرآن الكريم : (وأمرهم شورى بينهم) و (شاورهم فى الأمر) ؛ دستورا لجمهورية الاسلامية فى ايران - الطبعة الاولىٰ ١٤٠٦ هجرية طهران ، ص ١٨

خلفائے راشدہ کے باہمی تعلقاتِ محبّت و خلوص کی موجودگی میں جب کوئی شخص کسی جانب بھی سوئے ظن یا استخفاف کے وساوس یا شُبہات میں مبتلا ہونے لگتا ہے تو اُس کے لئے حکیمُ الاُمّت رحمتہ اللہ علیہ کا انتباہ قابلِ غور ہے ؂

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش
اے گرفتار ابو بکرؓ و علیؓ ہشیار باش![1]

مزید برٓس مبنی براخلاص دعوتِ عمل دیتے ہوئے فرماتے ہیں ؂

دلِ بیدار فاروقی ، دلِ بیدار کرّاری
مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دِل کی بیداری

دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری ، نہ میری ضرب ہے کاری![2]

۱...... بانگ درا، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۸۸ء طبع چہل چہارم، ص ۲۴۶

۲...... بال جبریل: ص ۳۷

شہادتِ عُظمیٰ اور وحدتِ ملّت

آج تک شہادتِ عُظمیٰ کے سِلسلہ میں عاشورۂ محرم میں جو کچھ قوم کے سامنے آتا ہے ، وہ ایک اولوالعزم مرد مجاہد کے جذبۂ جہاد ، ایثار و قربانی ، ایمانی غیرت و حمیّت کو مرکزی نقطہ قرار دینے کے بجائے یزیدیوں کی شقاوت ، ابن زیاد کی وحشت و بہیمیّت ، شمر کی دنائت و وقاحت اور وحشیانہ سنگدلی اور بربریّت کے تذکرے کے ساتھ ساتھ امام عالی مقام کی مظلومیّت ، خاندانِ نبوّت کی بیچارگی ، تشنگی ، پریشانی اور ابن زیاد اور یزید کے جبر کی متکبّرانہ رعونت اور اہلِ ایمان کے صبرو استقامت کی داستان ہے ۔ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ظالموں نے خاندانِ نبوّت کو ظلم کے شکنجے میں کَس کر خُبثِ باطنی کا مظاہرہ کیا ۔ یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ یہ تمام مصیبتیں اور آزمائشیں سوچ سمجھ کر قبول کی گئی تھیں[1] ـــ یزید کی براہِ راست بیعت ہو یا بالواسطہ ، یہ ایک زبردست کٹھن اور صبر آزما مرحلہ تھا ۔ اگر امام عالی مقام ذرا بھر بھی مصلحت کوشی کو روا رکھتے تو کسی کا بال بھی بیکانہ ہوتا ۔ یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر ، دیکھ بھال کر کیا گیا تھا ۔ دُشمن کی قہرمانہ اور ستم کارانہ طینت اور کمینہ فطرت کا شکوہ اُس وقت کیا جاسکتا تھا جب مصائب و آلام کے پہاڑ بے خبری میں اُن کے سروں پر توڑ دیئے جاتے ۔ جب انہوں نے سب کچھ عشقِ الٰہی کی خاطر برداشت کرتے ہوئے نظامِ مصطفٰی کے نفاذ کے لئے سمجھوتہ نہ کیا

---

[1] استاد شہید مرتضیٰ مطہری (تلمیذ امام خمینی) نے اپنی قابل قدر تصنیف "شہید" میں اسی نقطہ نگاہ کو واضح کیا ہے:

"ہمارے عوام میں سے بہت سے لوگ صرف حضرت ابو عبداللہ حسین علیہ السلام کی مظلومیت. بے گناہی اور بے بسی پر روتے ہیں. اور انہیں اس بات پر سخت افسوس ہے کہ امام حسین ایک چھوٹے سے بچے کی مانند ایک جاہ طلب شخص کی ہوا اور ہوس کا شکار ہو کر ہلاکت کا نشانہ بن گئے۔ ان کا خون بہا دیا گیا۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ شہید ہی نہیں کہے جا سکتے تھے. چہ جائیکہ انہیں سیدالشہداء کے لقب سے پکارا جائے۔ اگرچہ وہ حضرت مظلوم اور بے گناہ ہیں جیسا کہ اس قسم کے جرائم کی قربانی بننے والے بھی افراد مظلوم اور بے گناہ ہوتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام محض جاہ پسند افراد کے ہوا و ہوس کی قربانی نہیں بنے تھے. اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اس اعتبار سے بھی کہ اس جانکاہ اور روح فرسا واقعہ کی نسبت ان کے قاتلوں کی طرف دی جائے تو ایک جرم ہے. ہوس کا مظاہرہ ہے۔ لیکن اس حیثیت سے گریہ عظیم اور روح فرسا واقعہ آپ کی عظیم شخصیت کی جانب منسوب ہے "شہادت" ہے۔ یعنی ایک مقدس اور پاکیزہ مقصد کی راہ میں آپ کا قیام و انقلاب. زیرکانہ مقاومت اور حکیمانہ دفاع تھا۔"

(بحوالہ شہید. اردو ترجمہ: سید غلام حسنین کراروی. مطبوعہ لوح و قلم. لاہور ۱۹۸۳ء. ص ۱۶-۱۷)

تو اس پاکیزہ اور ارفع مقصد کے لئے جو کچھ بھی سر پر آئے، خندہ پیشانی سے قبول کیا جاتا ہے

چہ راحت ہائے پنہانی جراحت ہائے جاناں را
دریغا! تو نمی دانی جراحت بازِ راحت ہا

ترجمہ۔ محبوب کی خاطر جو زخم اُٹھانے پڑتے ہیں اُن میں عجیب لذت محسوس ہوتی ہے۔ افسوس ہے تجھے پتہ نہیں کہ راحت کیا شئے ہے اور جراحت کیا شئے ہے۔ جراحت یعنی جو زخم محبوب کی خاطر برداشت کئے جائیں، اُن سے عجیب لذت و سرُور ملتا ہے۔

عاشقانِ پاک طینت سرِ مقتل بھی ایک عجیب قسم کا اطمینانِ قلب محسوس کرتے ہیں، بلکہ اپنی اس سرفروشی و جانبازی کی کیفیت کا تذکرہ، محبوبِ حقیقی کے سامنے فخر و انبساط سے کچھ اس طرح کرتے ہیں

بجُرمِ عشقِ تو ام میکشند غوغائیست
تو نیز برسر بام آکہ خوش تماشائیست

ترجمہ :۔ تیرے عشق کے جُرم میں مجھے قتل کر رہے ہیں، تُو بھی برسرِ عام آکر ملاحظہ فرما کہ تیری محبت میں قتل ہونے کا نظارہ کیسا شاندار ہے۔

شہادتِ حُسینؓ کے تذکرے میں ابوالکلام آزاد نے خاندانِ نبوّت کا مقام اور عظمت بیان کرتے ہوئے اشہبِ قلم کی جولانی کایُوں نقشہ کھینچا ہے :۔

"اب تک کسی پیغمبر کے خاندان نے جہاد میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ شخصی طور پر جو قربانیاں کی گئیں وہ راہ ہی میں روک لی گئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے لختِ جگر کو خدا کی نظر کرنا چاہا لیکن اس کا موقع ہی نہ آیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سُولی کی طرف بڑھے، لیکن بچا لئے گئے۔ آج تک تمام خاندانِ نبوّت نے متفقہ طور پر اس میں شرکت بھی نہیں کی تھی اور اس کی کوئی نظیر تمام سِلسلۂ انبیاء میں نظر نہیں آئی تھی کہ صرف بھائی، صرف بیٹا، صرف بیوی ہی نے مقصدِ نبوّت میں ساتھ نہ دیا ہو۔ بلکہ بلا تمیز خاندانِ نبوّت کے اکثر اعزا و ارکان راہِ حق میں قربان ہوئے ہوں۔

یزید کی شخصی خلافت کی بیعت کے لئے جو ہاتھ بڑھے تھے وُہ اسلام کی جمہوریّت کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے، اور مذہب کی قربانیاں صرف امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہی کے لئے ہُوا کرتی تھیں۔ اس لئے جب اُسوۂ ابراہیمیؑ کے زندہ کرنے کا ٹھیک وقت آگیا تو خاندانِ نبوّت کے زن و مرد، بال بچّے، غرض ہر فرد نے اس میں حصہ لیا اور جن قربانیوں کے پاک خُون سے زمین کی آغوش اب

تک خالی تھی ان سے کربلا کا میدان رنگ گیا۔
پس حضرت حُسین علیہ السّلام کا واقعہ کوئی شخصی واقعہ نہیں ہے۔ اس کا تعلق صرف اسلام کی تاریخ ہی سے نہیں بلکہ اسلام کی اصل حقیقت سے ہے۔ یعنی وہ حقیقت جس کا حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی ذات سے ظہور ہُوا تھا اور وُہ بتدریج ترقی کرتی ہوئی حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی ذات تک پہنچ کر گم ہو گئی تھی، اس کو حضرت حُسین علیہ السّلام نے اپنی سر فروشی سے مکمّل کر دیا۔

خاندانِ نبوّت، دُنیا کے آباد کرنے کے لئے ہمیشہ اُجڑتا رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ہجرت کی، حضرت موسٰی علیہ السّلام نے گھر بار چھوڑا۔ حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے صحرانوردی[1] کی اور نبوّتِ محمدیؐ کے مُتّبعین میں سے حضرت حُسین علیہ السّلام نے میدانِ کربلا کے اندر اس خانہ ویرانی کو مکمّل کر دیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السّلام سے خاندانِ نبوّت کا سِلسلہ ملا ہُوا ہے۔ اُنہوں نے ایک وادی غیر ذی زرع میں شدّتِ تشنگی سے ایڑیاں رگڑی تھیں۔ حضرت حُسین علیہ السّلام نے بھی میدانِ کربلا میں اس خاندانی روش کو زندہ کیا"۔[2]

اس عظیمُ الشّان قُربانی کو محض یزیدیوں پر لعنت اور خاندانِ نبوّت کی مظلُومیّت پر آہ وبکا، رنج و غم، ماتم والم، شیون وبین میں گزار دینا اس عظیم قُربانی کی نا قدری ہے۔ غم ایک طبعی فطری عمل ہے، لیکن اس پر ساری تحریکِ جہاد کو ختم کر دینا کوئی دانشمندی نہیں۔ ہم نے بار ہا اس امر کا اعلان کیا ہے کہ قوّت واقتدار کے غلط استعمال کا نام فرعونیّت، مال و دولت کے استحصال اور غلط استعمال کا نام قارونیّت، اور دین کے غلط استعمال کا نام تلبیس و منافقت ہے۔ یزیدیّت ان تمام باطل نظریّات کا مظہرِ اَتمّ ہے۔ ہمیں دیکھنا ہو گا کہ اگر آج خلافت علٰی منہاجِ نبوّت قائم نہیں ہو رہی تو اس میں کون روکاوٹ ڈال رہا ہے۔ ہمارے ملک میں یزید کا پارٹ کون ادا کر رہا ہے، کون ابنِ زیاد بن رہا ہے اور کس نے شمرِ لعین کی روش اختیار کر رکھی ہے۔ ساری اُمّت ان باطل قوّتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہو کر رسمِ شبیریؓ ادا کرے۔ اس تقریبِ عاشُورہ کو کسی خاص فرقے یا گروہ تک محدود نہ رکھا جائے، بلکہ اُمّتِ محمّدیہؐ کے تمام طبقات، خلافت علٰی منہاجِ نبوّت کے قیام کے لئے ایک دُوسرے سے تعاون کریں اور امام عالی مقام کے منشُور نظامِ مصطفٰی کے نفاذ کے لئے متفقہ جِدّوجُہد

1۔۔۔۔ مصنف نے یہاں صحرانوردی کی جگہ آوارہ گردی کا لفظ استعمال کیا ہے۔

2۔۔۔۔ شہادت حسین علیہ السلام: ص ۱۱۰ ۔ ۱۱۲

کریں ۔ حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ ساری اُمتِ محمدیہ کو خطاب کرتے ہوئے اس اعلیٰ ترین مقصد کے لئے اُسوۂ شبیریؓ اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اور اس دعوت پر لبیک کہنے والوں میں غفلت اور کوتاہی دیکھتے ہیں تو بصد افسوس اعلان کرتے ہیں ؎

قافلۂ حجاز میں ایک حُسینؓ بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دِل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات![1]

دُوسری طرف حکیم الامت قافلۂ حجاز کے ساتھ "ریگِ عراق" اور "کشتِ حجاز" کی طرف سے بھی اُمتِ محمدیہؐ کو جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دیتے ہوئے شہزادۂ گلگوں قبا کے خون کو کشتِ ملت کی سرسبزی و شادابی کا عُنوان بنا رہے ہیں ؎

ریگِ عراق منتظر کشتِ حجاز تشنہ کام
خونِ حُسینؓ باز دِہ کوفہ و شامِ خویش را[2]

الغرض ہم یزیدیت کے استبداد و بیداد کو ہر قیمت پر ختم کرنا چاہتے ہیں ۔ جیسا کہ ہم ابھی بتا چکے ہیں کہ ماضی میں ملوکیت اور استبداد کا مظہر ، فرعون کہتا تھا کہ اپنی رعایا کا مَیں ربّ ہوں ۔ اس لئے میرا حکم مانو ، خدا کی عطا کردہ شریعت مت تسلیم کرو ، تمہاری زندگی اور موت میرے ہاتھ میں ہے ۔ سرمایہ دارانہ استحصال و استبداد کا مجسمہ قارون کہتا تھا ۔ میرا مال صرف میرا ہے ، مَیں نے اپنے علم سے حاصل کیا ہے ، مُوسیٰ علیہ السّلام کو خدا کے نام پر، مجھ پر پابندیاں عاید کرنے اور حاجتمندوں کے لئے خرچ کرا دینے کا کوئی حق نہیں ۔ ریاکار مدعیٔ اسلام ، یزید "امیرالمومنین" کا مقدّس لقب اختیار کر کے کہتا تھا کہ میرے اعمالِ بد پر اعتراض کرنے سے مسلمانوں کی سالمیّت خطرے میں پڑ جائے گی ، حُسین علیہ السّلام تقوٰی کا نام لے کر انتشار اور بغاوت پھیلانا چاہتا ہے ـــــــ آج ان تمام برائیوں کا مجسمہ ، اشتراکیّت کا دجّال کہتا ہے ۔ مَیں تمہارے شکم کی شہوتوں کی تسکین کا سامان فراہم کروں گا ، حلال و حرام کی بحثیں ترک کر دو ، دولت کے مزے اڑاؤ اور صرف مجھ کو اپنا حاکم ، مالک اور رزّاق تسلیم کر لو ۔

فرعونیّت ، قارونیّت ، یزیدیّت اور دجّالیّت کے جبرو استبداد نے جارحانہ قومیّت ، اشتراکیّت ، فسطائیّت ، لادین پارلیمانیّت اور علاقائیّت کے جو نقاب اوڑ رکھے ہیں ، اور ان

---

۱ ...... بال جبریل : ص ۱۱۲

۲ ...... زبور عجم (حصہ اول) ، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز ، لاہور ۱۹۵۸ء ۔ بار ششم ، ص ۱۴

نقابوں کے نیچے قدرِ حُریّت اور شرفِ انسانیت کی جو مٹی پلید ہو رہی ہے ——— متقاضی ہے کہ ہم اُسوۂ شبیری کو سامنے رکھ کر دجل و تلبیس کے پردے چاک کر دیں اور دُنیا کو بتا دیں کہ ان تہ بہ تہ گمراہیوں اور متعفّن خباثتوں سے نجات پانے کے لئے خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت سے وابستگی ضروری ہے ——— شرعی خلافت جس کے لئے امام عالی مقام نے سب کچھ قربان کر دیا، ایسی لازوال طاقت ہے جو ان تمام لعنتوں، نحوستوں اور بیماریوں کے شر و فساد سے محفوظ رکھتی ہے اور اُمّتِ محمدیہ کو ایمان، عرفان، تقویٰ، طہارت اور اخوت، حُریّت اور مساوات کا سبق دے کر آخرت کی بھلائی کا راستہ ہموار کرتی ہے۔

مردِ مومن اگر اپنے آپ کو اُسوۂ شبیری سے متصف کر دے تو گردشِ دوران کے تمام مصائب و نوائب کا مقابلہ کرتے ہوئے حُسین منصور حلّاج کی طرح یہ نعرۂ مستانہ بلند کرتے ہوئے کہہ سکتا ہے ؎

من[1] حُسینِ وقت و نا اہلاں یزیدو شمرِ من
روز گارم جملہ عاشورہ ومنزل کربلا
کوہِ اراوتم متزلزل نمی شود
لَوْ بُسَّتِ الْجِبَالُ وَلَوْ دُکَّتِ السَّمَاءُ

۱...... میں اپنے وقت کا حسین ہوں اور میرے مخالف یزید اور شمر ہیں۔ میری حقیقی زندگی کل دس دن ہے اور میری منزل کربلا یعنی شہادت ہے۔ میرے اراوے کے پہاڑ میں کسی قسم کا تزلزل پیدا نہیں ہو سکتا۔ چاہے پہاڑ ریزہ ریزہ اور آسمان پرزے پرزے ہو جائیں۔

استدراک

بعض تذکرہ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ عبیدُ اللہ بن زیاد کو عمرو بن سعد کی طرف سے خط ملا جس میں لکھا تھا کہ حُسین نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلے جائیں یا کسی اور مقام کو نکل جائیں ، اور اگر یہ نہیں تو یزید اُن کے پاس آئے اور بیعت لینے کا مطالبہ پیش کرے ۔ بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ " مجھے یزید کے پاس لے جاؤ تاکہ مَیں اُس سے اپنا معاملہ طے کرلوں اور اُس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں یعنی بیعت کرلوں " ۔ لیکن ثِقہ اور معتبر روایات شاہد ہیں کہ امام حُسین نے یہ وعدہ کبھی نہیں کیا تھا کہ وہ یزید کی بیعت کرلیں گے ۔ کیونکہ اگر آپ کی یہی مرضی ہوتی تو وہیں عمرو بن سعد کے ہاتھ پر یزید لعین کی بیعت کر سکتے تھے ، جیساکہ معمول تھا ۔ حقیقت یہ ہے کہ امام عالی مقام نے بیعت سے قطعی طور پر انکار کر دیا تھا ۔ آپ نے صرف یہ مطالبہ کیا تھاکہ آپ کو یزید کے سامنے کر دیا جائے تاکہ اُس سے مناظرہ کر سکیں اور استحقاقِ خلافت ثابت کر سکیں ۔ امام حُسینؓ کے ساتھ جو لوگ مدینہ منورہ سے چلے تھے اُن میں سے کسی نے یہ نہیں کہاکہ حُسینؓ نے یزید کی بیعت کرنے پر کسی وقت بھی رِضامندی ظاہر کی تھی ۔ ان ساتھیوں میں عقبہ بن سمعان بھی تھے ، وہ لکھتے ہیں کہ :-

"مَیں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک امام حُسینؓ کے ساتھ رہا ۔ مَیں نے آپ کی شہادت تک کبھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا ۔ مَیں نے آپ کے ہر خُطبہ اور بات چیت کو خود سُنا ہے ۔ آپ نے کبھی یہ نہیں کہاکہ وہ یزید سے بیعت کرلیں گے ۔ یہ مطالبہ بھی کبھی نہیں کیاکہ مجھے کسی ساحلی سرحدی مقام پر بھیج دیا جائے ۔ آپ نے صرف یہ فرمایا تھاکہ مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو " ۔ ۱

معلوم ہوتا ہے کہ بنُو اُمیّہ کے حامیوں نے یہ قِصّہ مشہور کر دیا ہو گا تاکہ اصحابِ حُسینؓ کو یزید کی بیعت پر مجبور کرنے کا ایک بہانہ مل جائے ۔

یہ تأثرات عباس محمود العقاد کے ہیں ۔ ہم نے پہلے سے ہی اسی نقطۂ نگاہ کو واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ امام عالی مقام ایک اعلیٰ و ارفع پاکیزہ نصبُ العین کے لئے جبر و استبداد کی قوّتوں کو چیلنج کرنے کے لئے آئے تھے ۔ انہوں نے اپنا منشور ۸ ۔ محرم ۶۰ھ کو مقامِ بیضا پر پیش کر دیا تھا ۔ اس لئے یزید سے معاملہ طے کرنے یا اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے (بیعت کرنے) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

---

۱ ..... شاہ شہیداں : ص ۹۳ ، ۹۴

بعض کم ظرف اور کوتاہ فہم، امام حُسینؑ پر یہ ناقابلِ قبول الزام چسپاں کرتے ہیں کہ اُنہوں نے بیعت نہ کر کے معاذ اللہ سیاسی امور میں معاملہ فہمی کا ثبوت نہ دیا، لیکن یہ لوگ اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ حُسینؑ اور یزید کے درمیان صرف سیاست اور ملک گیری کی کشمکش نہ تھی، بلکہ اس کشمکش میں اسلام کے بنیادی اُصول نہایت واضح طور پر زد میں آجاتے تھے۔ اگر حُسینؑ بیعت کر لیتے تو وہ چیز جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دی جاتی جس نے دُنیا میں ایک انقلاب برپا کیا تھا۔ وُہ انقلاب جس نے بنی نوع انسان کو جہالت اور بربریت کی ناپیدا کنار تیرگیوں کے سمندر سے نکال کر باعزّت مثالی زندگی کی پُر نور راہ پر لگا دیا تھا۔ وُہ یہ بھول جاتے ہیں کہ امام حُسین کی طبیعت میں سودا بازی اور معاملہ سازی کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اُن کی طینت میں اسلام اور احکامِ اسلام رچے ہوئے تھے، وُہ یہ جانتے تھے کہ یزید سے بیعت کرنے کے معنی اُصول اسلام کو محو کر دینا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اِس چراغ کو بُجھا دینا ہے جس کا کام انسان کو گمراہی سے نجات دلانا ہے۔ ۱

ان تاریخی واقعات کی روشنی میں امام حُسینؑ سے یہ توقع رکھنا کہ وہ یزید کی خلافت کو مان لیتے، عقلِ سلیم گوارا نہیں کر سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ امام عالی مقامؑ کو اپنی شہادت پر ذرا بھر شک نہ تھا، وُہ جانتے تھے کہ یزید کی مخالفت میں صرف آپ کو ہی نہیں بلکہ عزیزوں اور ساتھیوں کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔ اس علم کے باوجود آپ نے یزید کا مقابلہ صرف اس لئے کیا کہ جس تحریک کو لے کر وُہ اُٹھے ہیں، اُس کے برحق ہونے پر انہیں یقینِ کامل تھا۔ اُن کے قتل سے یہ تحریک قتل نہیں کی جاسکتی، بلکہ ظُلم کی طاقتوں کو تباہ کرنے کے لئے اُن کا خُون ہی مؤثر اسلحہ بن جائے گا۔ چنانچہ جرمنی کا مشہور مؤرخ ماربین اپنی کتاب "اِسلامی سیاست" میں رقمطراز ہے کہ تحریکِ حُسینی قوتِ ارادی، عزّتِ نفس اور قوتِ ایمان سے عبارت ہے جس نے ظُلم کے سامنے سرنگوں ہونے سے انکار کیا اور ہنگامی فتح کو مطمحِ نظر بنانے کے بجائے اُن کے سامنے ایک ایسی لازوال فتح کامل مقصود تھی جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انسانیت کو تباہی سے بچالے۔ ۲

ہم نے شاہِ شہیداں کے مؤلف عبّاس محمود العقاد کے خیالات اس لئے درج کئے ہیں تاکہ قارئینِ کرام پر واضح ہو جائے کہ فلسفۂ شہادت کے رموز و اسرار بیان کرنے والوں میں اور بھی کئی محققین موجود ہیں اور ہمارے ہمنوا ہو کر بقول حکیمُ الاُمت اعتراف کر رہے ہیں کہ امام عالی مقام کی شہادت کی غرض و غایات اعلاء کلمۃ الحق اور خلافت علیٰ منہاجِ نبوّتِ کا احیاء تھا

۱..... شاہ شہیداں : ص ۱۰۳، ۱۰۴

۲..... بحوالہ شاہ شہیداں۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۸۲۔ ص ۱۰۷

ے بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لاالہ گردیدہ است

حُسینیت جہاد فی سبیل اللہ ہے

ہم نے گذشتہ اوراق میں فلسفۂ شہادتِ امام عالی مقام کی وضاحت کے لئے کئی نامور مؤرخین اور مفکرین کے نظریات اور تأثرات بیان کئے ہیں ۔ خاص طور پر اس موضوع پر مولانا ابوالکلام آزادؔ نے اس شہادت عظمیٰ کو ایک مستقل مشن کے طور پر اپنانے کا مشورہ دیا ہے ۔ ہم بمصداق "ختامُہٗ مِسک" آخر میں ایران کے مشہور انقلابی فاضلِ شہیر ڈاکٹر علی شریعتیؒ کے افکار عالیہ پیش کرکے موضوع کتاب کی اہمیت ، افادیت اور مقبولیت کا سامان

ا...... ڈاکٹر علی شریعتی ۱۹۳۳ء میں مازینان (مشہد) میں پیدا ہوئے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں تدریس کا کام شروع کیا اور ساتھ ساتھ علم بھی حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۶۰ء میں کالج سے ڈگری حاصل کرنے کے بعد سرکاری وظیفہ پر فرانس اعلیٰ تعلیم کے لئے چلے گئے۔ ۱۹۶۹ء میں وہاں سے عمرانیات میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

واپس ایران پہنچتے ہی ان کو فرانس میں دوران تعلیم سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۹۶۵ء میں رہا ہونے پر مشہد یونیورسٹی میں تعلیم وتدریس کا کام شروع کر دیا۔ ایک مسلمان ماہر عمرانیات ہونے کی حیثیت سے انہوں نے مسلمان معاشرے کے مسائل کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی۔ تفسیر وتوضیح کے لئے اپنے طالب علموں سے مباحث کا آغاز کیا اور جلد ہی ایران کے طلباء اور مختلف طبقوں میں معروف ہو گئے۔ حکومت ایران کے لئے انہیں یونیورسٹی سے برخاست کرنے کے لئے یہ کافی تھا۔

اس کے بعد ان کو تہران بھیج دیا گیا۔ جہاں ڈاکٹر شریعتی کی شاندار اور قابل تحسین سرگرمیاں جاری رہیں۔ حسین ارشاد کے انسٹیٹیوٹ میں ان کے لیکچرز لوگوں کے لئے بڑی دلچسپی کا باعث بنے۔ قریباً چھ ہزار طالب علم اور دوسرے مختلف مکاتب فکر کے لوگوں نے ہر سیشن میں داخلہ لیا اور ان کے لیکچرز سے عرفان علم حاصل کیا۔

ڈاکٹر شریعتی کی پہلی کتاب پر شاہ کی حکومت تخت جز بز ہوئی اور اس کی مزاحمت کے باوجود کتاب کی ساٹھ ہزار کاپیاں فروخت ہوئیں۔ حسین ارشاد کے انسٹیٹیوٹ میں ڈاکٹر شریعتی کی غیر معمولی کامیابی پر شاہ کی پولیس نے اس انسٹیٹیوٹ کو گھیرے میں لے کر ڈاکٹر شریعتی اور ان کے تمام ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ ان کی سرگرمیوں کو دبا دیا گیا اور اٹھارہ ماہ تک ڈاکٹر شریعتی کو جیل میں رکھا گیا۔ بین الاقوامی اور اندرون ملک دباؤ کے تحت شاہ نے ان کو ۲۰ مارچ ۱۹۷۵ء کو رہا کر دیا۔ مگر ان کی سرگرمیوں پر کڑی نگرانی رکھی گئی۔ ڈاکٹر شریعتی کو اپنے خیالات لوگوں تک پہنچانے کی قطعی طور پر ممانعت تھی۔ ان غیر موزوں حالات میں انہوں نے قرآن وسنت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے ملک سے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ انگلستان پہنچنے کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد ڈاکٹر شریعتی کو ۱۹ جولائی ۱۹۷۷ء کو شہید کر دیا گیا۔

ڈاکٹر شریعتی نے اسلامی نقطہ نظر سے بہت سے فلسفیانہ مذہبی اور عمرانی علوم کا نہایت گہرا مطالعہ کیا اور انہیں سمجھا۔ یوں کہا جائے کہ وہ ایک عظیم مسلمان مفکر تھے جو مشرقی روایات کے گہرے ساگر سے اٹھے۔ انہوں نے مغرب کے وسیع عمرانی علوم کو کھنگالا۔ مگر اس سے دبے نہیں۔

(ڈاکٹر علی شریعتی کے لیکچر۔ مطبوعہ کشور عابد حسین ٹرسٹ۔ لاہور ۱۹۸۳ء۔ ص ۳-۴)

فراہم کرنا چاہتے ہیں ۔ اُنہوں نے اپنی کتاب Martyrdom of Imam Husain (شہادت یامرگِ گُلرنگ) میں حُسینیت کو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ایک مقدس مشن قرار دیا ہے ۔

سب سے پہلے ہم شہادت کی عظمت کے نشان سے ضروری اقتباسات درج کریں گے اور بعد میں ڈاکٹر موصوف کی جانب سے اس مقدّس مشن کے حصول کے لئے دعوتِ جہاد فی سبیل اللہ کا تذکرہ کریں گے ۔

ڈاکٹر علی شریعتی اور فلسفۂ شہادت

"امام حسین نے حکومتِ وقت کے خلاف سیاسی و عسکری انقلاب کے قیام کی خاطر مدینہ چھوڑا تاکہ اُس کے ظالمانہ تسلّط کا خاتمہ کرکے اپنے اور دُوسرے لوگوں کے حقوق حاصل کریں ۔۔۔۔ لہٰذا امام کے لئے ضروری ہے کہ غاصب حکومت کے خلاف سیاسی جنگ لڑے اور اُس کا مسلّح مقابلہ کرکے اُس کی قوت پاش پاش کر دے ۔ حق و صداقت کا راج قائم کرے اور حکومت اپنے ہاتھ میں رکھے ۔ مَیں یہ بھی کہوں گا کہ عسکری اور سیاسی انقلاب امام حُسینؑ کا حقیقی مشن تھا ، لیکن اُنہیں اس کے ذرائع میسّر نہیں تھے"۔ ۱

مدینہ سے رخصت ہوتے وقت امام حُسینؑ نے اعلان فرمایا :

"اپنے اب وجدّ کی سُنّت کی پیروی کرتے ہوئے مَیں 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' کی خاطر مدینہ چھوڑ رہا ہوں ۔۔۔۔ مَیں اپنی موت کی جانب جا رہا ہوں ۔۔۔۔ بنی آدم کے لئے موت ایک ایسے خوبصورت گلوبند کی مانند ہے جو ایک دُلہن کے گلے میں پڑا ہو موت بنی آدم کے لئے ایک زیور ہے"۔ ۲

امام علیہ السّلام نے باقاعدہ طور پر اور واضح الفاظ میں حکومتِ وقت ، اُس کے فوجی گورنر اور عوام کو بتا دیا کہ :

"مَیں بیعت کرنے کو تیار نہیں ۔ مَیں مکہ چھوڑ کر کوفہ جا رہا ہوں ۔ مَیں موت کی جانب ہجرت کر رہا ہوں اور مَیں نے اپنے سفر کی ابتداء کر دی ہے"۔ ۳

"امام حُسینؑ ایک ذمہ دار راہنما کی حیثیت سے دیکھ رہے تھے کہ اگر وُہ خاموش بیٹھے رہے تو اسلام کو ایک سرکاری مذہب میں تبدیل کر دیا جائے گا اور

۱۔۔۔۔ علی شریعتی۔ ڈاکٹر۔ مرگ گلرنگ۔ مطبوعہ مکتبہ الرضا۔ لاہور۔ ص ۴۷

۲۔۔۔۔ مرگ گلرنگ: ص ۴۹ ۳۔۔۔۔ ایضاً: ص ۵۱

وُہ محض عسکری اور اقتصادی قوت کا ملغوبہ بن کر رہ جائے گا ۔ اس کی کیفیت دُوسری حکومتوں اور طاقتوں جیسی ہو جائے گی اور جب فوج اور حکومت کی قوت کو زوال آئے گا تو کچھ بھی باقی نہیں بچے گا ۔ پھر اسلام کی حیثیت ایک قصۂ پارینہ کی ہو گی جو تاریخ کے اوراق کی زینت بن جائے گا" ۔ ۱

"امام حُسینؑ ، حضرت آدمؑ کے وارث ہیں جن کی بدولت نوع بشر نے زندگی پائی اور ان انبیائے کرامؑ کے جانشین ہیں جنہوں نے لوگوں کو جینا سکھایا ، اب یہ بتانے کے لئے میدان میں اُترے کہ مرنا کیسے چاہیئے ؎

جی کے مرنا تو سب کو آتا ہے
مر کے جینا سکھا دیا تُو نے

آپ نے بتایا ذلت کی موت اُن کی ہوتی ہے جو زندہ رہنے کی خاطر تحقیر برداشت کرتے ہیں ۔۔۔ اُنہوں نے اپنی جان کی بازی لگا دی ، گھر بار چھوڑا اور مرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ دُشمن کی برائیوں کو طشت ازبام کرنے کے لئے اس کے علاوہ اُن کے پاس اور کوئی چارۂ کار نہ تھا ۔ اس طریقۂ کار کا انتخاب کیا تاکہ حکومتِ وقت کے مکروہ چہرے پر جو فریب زدہ پردے پڑے ہوئے ہیں انہیں نوچ پھینکیں ۔ اگر وہ یہ اقدام کر کے دُشمن کو شکست نہیں دے سکتے تھے ، تو کم از کم اُسے دُنیا کے سامنے ذلیل و خوار تو کر سکتے تھے" ۔ ۲

"جب امام حُسینؑ نے دیکھا کہ اُن کے سب ساتھی قتل ہو چکے ہیں اور اب اُن کے سامنے دُشمن کی قابلِ نفرت اور غارتگر فوج کے علاوہ اور کوئی نہیں تو آپ نے فرمایا : "ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا"؟ (کیا کوئی ہے جو ہماری مدد کرے؟) ۔۔۔ ہم نے شہادت کی روایت کو بھلا دیا ہے اور اپنے آپ کو فقط شہیدوں کے مزارات کا مجاور بنا دیا ہے ۔ ہم ذلت کی موت کے حامل ہیں ۔

ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ ۔ الخ کا مطلب کیا ہے ؟ کیا آپ کے علم میں نہیں تھا کہ اب آپ کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ؟ درحقیقت امام عالی مقام نے یہ سوال انسان کی مستقبل کی تاریخ سے کیا ہے ۔ اس سوال کا مخاطب مستقبل اور ہم لوگ ہیں ۔ اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام حُسینؑ اپنے شیدائیوں سے کیا توقع رکھتے ہیں ۔ اس سوال کے ساتھ اُنہوں نے اُن تمام لوگوں کو دعوت دی ہے

---

۱ مرے کر نہ ۔ ص ۴۵

۲ ایضاً ص ۷۶ ۔ ۷۷

جن کے دلوں میں شہادت اور شہیدوں کے لئے عزّت موجود ہے۔

لیکن ہم نے امام علیہ السّلام کی دعوت، اُن کی جانب سے مدد کی توقع اور اُن کے پیغام کو جو ہر دَور اور ہر نسل کے شیعہ سے مدد کا طالب ہے کماحقہ اہمیّت نہیں دی۔ اس کی بجائے ہم دُنیا کو یہ بتاتے ہیں کہ امام عالی مقام کو فقط آہ وبکا اور آنسوؤں کی ضرورت ہے اور ان کا کوئی اور پیغام نہیں۔ وُہ فوت ہو چکے ہیں اور انہیں گریہ و ماتم کی ضرورت ہے اور وہ گواہی دینے والے شہید نہیں ہیں اور ایسی شخصیّت بھی نہیں ہیں جنہیں ہر دَور میں اور ہر مقام پر پیرو کاروں کی ضرورت ہو !!۔۔ شہادت اس دلیل کو تسلیم نہیں کرتی کہ فتح فقط دُشمن پر تسلّط حاصل کرنے کا نام ہے۔ شہید وُہ ہے جو دُشمن پر غلبہ نہ پاسکنے کی صُورت میں خود اپنی موت کے ذریعے فتحیاب ہوتا ہے اور اگر دُشمن کو شکست نہ بھی دے سکے تب بھی اُسے دنیا کی منظروں میں ذلیل ضرور کر دیتا ہے۔

جہاں امام حُسینؑ موجود ہوں ۔۔۔۔۔۔ وُہ ہر قرن اور ہر دَور میں موجود ہوتے ہیں ۔۔۔۔۔ وہاں جو شخص اُن کے پہلو بہ پہلو نہ کھڑا ہو وُہ بے وفا ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آیا وہ مومن ہے یا مشرک، مجرم ہے یا نیکو کار۔

امام حُسینؑ نے تمام نسلوں کو آگاہ کر دیا ہے کہ وُہ ہر دَور میں، ہر لڑائی، ہر جہاد اور ہر میدانِ جنگ میں موجود ہوتے ہیں۔ اُن کی شہادت کربلا میں اسی لئے ہوئی کہ وہ تمام ادوار اور تمام نسلوں کو اُٹھنے کے لئے کہیں ؂

کربلا منتظرِ صف شکناں ہے اب تک
کربلا جانبِ انساں نگراں ہے اب تک
دادِ غم ایک بھی جاں باز نہیں دیتا ہے
کوئی آواز پہ آواز نہیں دیتا ہے

اگر تم دیندار ہو تو تم پر تمہارے دین کی طرف سے ذمّہ داری عائد ہوتی ہے۔ ایک آزاد شخص بھی انسانی آزادی کے سامنے ذمّہ دار ہے۔ اپنے وقت کے بارے میں گواہی دو۔ اپنے دَور میں حق اور باطل کے مابین کشمکش کے بارے میں گواہی دو۔ ہمارے شہید جہاں کہیں بھی گواہی دیتے ہیں آگاہ، زندہ اور موجود ہوتے ہیں۔ وہ ایک نشان ہیں اور حق و باطل اور انسانیّت کے مقدّر کے متعلق گواہی دیتے ہیں۔

ایک شہید ان سب چیزوں کو اپنی آغوش میں لئے ہوتا ہے اور ہر انقلاب کے دو رُخ ہوتے ہیں ——— خُون اور ایک پیغام ۔ ہر اس شخص کو جس نے حق و صداقت قبول کرنے کی ذمہ داری لی ہے اور وُہ جانتا ہے کہ شیعہ کا وظیفہ کیا ہے اور انسانی آزادی کا کیا مطالبہ ہے ، یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ : ؎

کُلُّ یَوْمٍ عَاشُورَا
کُلُّ اَرْضٍ کَرْبَلَا[1]

ڈاکٹر علی شریعتی کے سارے پیغام کا لُبِ لُباب حکیمُ الاُمّت حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے یُوں بیان کر دیا ہے ؎

ریگِ عراق منتظر کشتِ حجاز تشنہ کام
خونِ حُسینؓ بازدِہ کوفہ وشامِ خویش را

مندرجہ بالا افکار و نظریات کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں مسرّت ہوئی کہ اس نہج پر سوچنے والوں میں تاریخ ساز شخصیات شامل ہیں ۔ ان کے ارشادات سُننے کے بعد مَیں کہہ سکتا ہوں کہ ؎

گئے دن کہ تنہا تھا مَیں انجمن میں
یہاں اب مِرے راز داں اور بھی ہیں

---

۱ مرگ گلرنگ : ص ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۹، اور ۱۰۲

مآخذ و مراجع

۱۔ آزاد، ابوالکلام: شہادتِ حسین علیہ السّلام، مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۷۸ء
۲۔ آفتاب احمد قرشی، حکیم: کاروانِ شوق، مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۸۴ء
۳۔ ابنِ اثیر، عزّ الدین ابوالحسن علی: الکامل فی التاریخ (جلد چہارم)، مطبوعہ بیروت سنہ ۱۳۹۹ھ/ سنہ ۱۹۷۹ء
۴۔ ابنِ جریر الطبری، ابوجعفر محمد: تاریخ الامم والملوک (جلد ششم)، مطبوعہ بیروت
۵۔ ابنِ کثیر، حافظ: البدایۃ والنہایۃ (جلد ہشتم)، مطبوعہ بیروت سنہ ۱۳۹۴ھ/ سنہ ۱۹۷۴ء
۶۔ احمد رضا خاں بریلوی، محمد نعیم الدین مرادآبادی: کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن مع خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، مطبوعہ مرادآباد
۷۔ اسلم جیراجپوری، حافظ محمد: تاریخ الامت (جلد سوم)، مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۷۵ء
۸۔ اشرف، پروفیسر سید محمد سلیمان: النور، مطبوعہ مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ سنہ ۱۳۳۹ھ/ سنہ ۱۹۲۱ء
۹۔ اقبال، علامہ محمد: ارمغانِ حجاز، مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۵۹ء
۱۰۔ 〃 〃 : اسرار و رموز (اسرارِ خودی و رموزِ بیخودی)، مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۴۰ء
۱۱۔ 〃 〃 : بالِ جبریل، مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۷۵ء
۱۲۔ 〃 〃 : بانگِ درا، مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۸۸ء
۱۳۔ 〃 〃 : پیامِ مشرق، مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۵۸ء
۱۴۔ 〃 〃 : جاوید نامہ، مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۵۹ء
۱۵۔ 〃 〃 : زبورِ عجم، مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۵۸ء
۱۶۔ باقر مجلسی، ملا محمد: جلاء العیون، مطبوعہ جنب نوروز خان۔ ایران طبع جدید س ن
۱۷۔ تقی لسان الملک، میرزا محمد: ناسخ التواریخ (جلد ششم و ہفتم) مطبوعہ قم۔ طبع قدیم س ن
۱۸۔ جاراللہ، علامہ زمخشری: الموافقۃ بین اہل البیتؓ والصحابۃ، اردو ترجمہ: احتشام الحسن کاندھلوی: خلفائے راشدینؓ اور اہلِ بیتِ کرام کے باہمی تعلقات، مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۸۶ء
۱۹۔ جلال الدین احمد امجدی: خطباتِ محرم، مطبوعہ براؤن شریف۔ انڈیا سنہ ۱۹۸۸ء
۲۰۔ جلال الدین رومی، مولانا: مثنوی مولوی معنوی، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۳۴ھ/ سنہ ۱۹۱۶ء
۲۱۔ حسن، محمد حسن رضا خان: آئینۂ قیامت، مطبوعہ بریلی۔ انڈیا (بارِ نہم)
۲۲۔ حسن، مولوی: تاریخ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور سنہ ۱۴۰۴ھ/ سنہ ۱۹۸۳ء
۲۳۔ دانش گاہِ پنجاب: اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ (جلد ہشتم)، مطبوعہ لاہور سنہ ۱۳۹۳ھ/ سنہ ۱۹۷۳ء
۲۴۔ زاہد حسین انجم: اردو جامع انسائیکلوپیڈیا (جلد اول)، مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۸۷ء
۲۵۔ عباس محمود العقاد: ابوالشہداء الحسینؓ بن علیؓ، اردو ترجمہ: عطا حسین: شاہِ شہیداں، مطبوعہ کراچی سنہ ۱۹۸۲ء
۲۶۔ عبدالقیوم ندوی، مولانا: تاریخِ ملت (حصہ دوم)، مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۶۰ء

۲۷۔ عبدالنبی، قاضی کوکب: یادِ شہید، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۹ء

۲۸۔ علی شریعتی، ڈاکٹر: مرگِ گلگرنگ، مطبوعہ لاہور

۲۹۔ عمر ابوالنصر: الحسینؓ، اردو ترجمہ: شیخ محمد احمد پانی پتی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء

۳۰۔ کرم شاہ الازہری، پیر محمد: تفسیر ضیاء القرآن، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

۳۱۔ کشور عابد حسین ٹرسٹ: ڈاکٹر علی شریعتی کے لیکچر، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء

۳۲۔ لوط بن یحییٰ: مقتل ابی مخنف فی مقتل الامام ابی عبداللہ الحسینؑ، مطبوعہ نجف اشرف ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء

۳۳۔ محمد احمد، سید ابوالحسنات: اوراقِ غم، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

۳۴۔ محمد احمد مصباحی: مضامین بحر العلوم، مطبوعہ مبارک پور۔ انڈیا ۱۹۸۷ء

۳۵۔ محمد رضا مصری: الحسنؓ والحسینؓ، اردو ترجمہ: محمد وجیہ السماء عرفانی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

۳۶۔ محمد جمیل احمد: ائمہ اہل بیتؓ، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی س ن

۳۷۔ محمد شفیع اوکاڑوی: شامِ کربلا، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

۳۸۔ " " : امام پاک رضی اللہ عنہ اور یزید پلید علیہ ما یستحقہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

۳۹۔ محمد شفیع، خان بہادر: قطف الازہار، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۵ء

۴۰۔ محمد عبدالستار خان نیازی: اتحاد بین المسلمین وقت کی اہم ضرورت (حصہ دوم)، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء

۴۱۔ " " " " : تحریکِ خلافتِ پاکستان، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء

۴۲۔ " " " " : ہوتا ہے جادہ پیما (قلمی مسودہ)

۴۳۔ محمد عبدالشکور فاروقی: سیرتِ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین، مطبوعہ مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی س ن

۴۴۔ محمد عبدالشکور مرزاپوری: قاتلانِ حسینؓ، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان س ن

۴۵۔ محمد علی حسین البکری: فضائل صحابہؓ و اہل بیتؓ، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

۴۶۔ محمد علی مولوی: شیعہ مذہب المعروف تحفہ جعفریہ (جلد پنجم)، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۸ء

۴۷۔ محمد نافع: رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء

۴۸۔ مرتضیٰ حسین فاضل، عبدالرزاق ملیح آبادی: نہج البلاغۃ (ترجمہ اردو)، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۷ء

۴۹۔ مرتضیٰ مطہری شہید، استاد: شہید، اردو ترجمہ: سید غلام حسنین کراروی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء

۵۰۔ معین الدین احمد ندوی، شاہ: تاریخ اسلام (حصہ اول)، مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء

۵۱۔ نظیر لدھیانوی، اصغر حسین خان: شعرِ حسن، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

۵۲۔ نعیم الدین مرادآبادی، صدر الافاضل محمد: سوانح کربلا، مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور ۱۹۸۵ء

۵۳۔ وزارتِ ارشادِ اسلامی: قانونِ اساسی جمہوری اسلامی ایران، مطبوعہ تہران ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء

۵۴۔ ہاشم الحسینی البحرانی، السید: حلیۃ الابرار فی فضائلِ محمد وآلہ الاطہار (جلد اول) مطبوعہ قم، ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء

۵۵۔ ہدایت اللہ ندوی: شہیدِ کربلا (ترجمہ اردو)، مطبوعہ میاں چنوں ۱۹۸۶ء

کچھ مؤلفِ کتاب

"آئینۂ قیامت"

حضرت مولانا حسن رضا خاں بریلوی

کے بارے میں

از

سید فضل الحسن مولانا حسرت موہانی

کیوں نہ ہو میرے سخن میں لذّتِ سوز و گداز
اَے حسنؔ شاگرد ہُوں مَیں داغؔ سے اُستاد کا

مولانا حسن رِضا خان

از

رئیسُ المتغزلین مولانا حسرت موہانی

نام وخاندان

حسن رِضا خاں نام حسن تخلص خلف اوسط جناب مولانا مولوی محمد نقی علی خاں مرحوم بریلوی اور برادر خورد جناب مولانا مولوی احمد رِضا خاں صاحب بریلوی ۱۲۷۶ھ میں پیدا ہوئے، فضل وکمال اور فقرو تصوّف کو آپ کے خاندانی خصوصیات میں سمجھنا چاہیئے۔

تعلیم وتربیت

حکیم سید برکت علی صاحب نامی بریلوی (شاگردِ حسن) اپنے استاذ کے "تذکرۂ مختصر" میں لکھتے ہیں کہ:

"یہ اپنے پدر بزرگوار اعلیٰ حضرت امام العلماء حضور سیدنامولوی نقی علی خاں صاحب قدس سرہ العزیز کے خزائنِ علم و عقل سے مستفیض تھے اور جواہر معانی و فضل سے بہرہ ور تھے۔۔۔۔۔ علاوہ برس بریلی میں اپنے اخِیٔ معظم مرکزِ دائرۂ علوم مجدّدِماتہ حاضرہ عالمِ اہلِ سُنّت حضرت مولانا حاجی مفتی جناب محمد احمد رِضا خاں صاحب قبلہ ادام اللہ تعالیٰ برکاتہم و افضالہم کی فیضِ صحبت سے فیضِ معنوی حاصل کیا گئے"۔

سِلسلۂ شاعری

شعر و سخن کا شوق حضرت حسن کو ابتدا ہی سے تھا، کچھ روز تک بطور خود مشق کرتے رہے، اس کے بعد مرزا داغ کو اپنا کلام دکھانا شروع کر دیا اور ایک مدّت تک رامپور میں رہ کر استاذ کے گلشنِ سخن سے گلچینی فرماتے رہے یہاں تک کہ بجائے خود استاذ مستند قرار

پائے ۔

شاگرد و اولاد

چنانچہ اس وقت بریلی کے اکثر خوش گو شاعروں کو آپ ہی کے دامن کمال سے وابستہ ہونے کا فخر حاصل ہے ۔ منجملہ ان کے حکیم سید برکت علی صاحب نامیؔ ، منشی دوار کا پرشاد خلمؔ بریلوی ، حافظ وہاج احمد صاحب محشرؔ ، سید محمود علی عاشقؔ ، منشی ہدایت یار خاں قیسؔ ، منشی اختر حسین اخترؔ ، برجموہن کشور فیروزؔ ، منشی مظہر حسین مظہرؔ ، حکیم سید مسعود غوث فیضؔ ، منشی تہور علی تہورؔ ، منشی محمد حسین اثرؔ بدایونی ، اور منشی اعجاز احمد قیصر مراد آبادی کے قطعاتِ تاریخ آپ کے دیوانِ عاشقانہ و نعتیہ کے آخر میں درج ہیں ۔ آپ کے بڑے صاحبزادے حسین رضا خاں حکیم ہیں ، لیکن ان کی طبیعت کو شعر و شاعری سے مناسبت نہیں ہے ۔

تصانیف

آپ کی تصانیف میں دیوانِ عاشقانہ کے علاوہ باقی کل کتابوں اور رسالوں پر زیادہ تر مذہبی رنگ غالب ہے مثلاً:

۱ ۔ تزکِ مرتضوی در اثبات تفضیلِ شیخین
۲ ۔ نگارستانِ لطافت در ذکرِ میلاد شریف
۳ ۔ بے موقع فریاد کا جواب در مسئلہ قربانی
۴ ۔ آئینۂ قیامت ذکرِ کربلائے معلیٰ
۵ ۔ دینِ حسن در حقانیتِ اسلام و ردِ مذاہب
۶ ۔ وسائلِ بخشش ذکر کراماتِ سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷ ۔ ذوقِ نعت معروف بہ صلۂ آخرت مجموعہ کلام نعتیہ اردو
۸ ۔ ثمرِ فصاحت کلامِ مجاز اردو مع قند پارسی کلامِ مجاز پارسی وغیرہ ۔

ان میں ابتدائی چھ کتابیں آپ کے زمانۂ حیات ہی میں چھپ کر مقبولِ خاص و عام ہو چکی تھیں ، دیوانِ نعتیہ زیرِ طبع تھا کہ آپ نے سفرِ حج سے واپس آکر ۱۳۲۶ھ میں انتقال فرمایا اور دیوانِ عاشقانہ آپ کے بعد ۱۳۲۷ھ میں طبع ہوا ۔

حسن کی شاعری

شاگردانِ مرزا داغ میں حسن مرحوم بریلوی کا پایۂ شاعری بہت بلند تھا، وہ بجائے خود استاذ مستند تھے۔ انہوں نے اپنے اندازِ سخن کو استاذ کے رنگِ کلام سے مشابہ بنانے میں اس قدر کامیابی حاصل کی ہے کہ اکثر قطعوں میں داغ و حسن کی شاعری میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

مثلاً:

ان کا جلوہ نہیں دیکھا جاتا!
دیکھ دیکھا نہیں دیکھا جاتا
قتل کرنے کی وہ جلدی تھی تمھیں
اب تڑپنا نہیں دیکھا جاتا
چشم خونبار خدا رحم کرے
تیرا رونا نہیں دیکھا جاتا
اُلفت ان کی نہیں چھوڑی جاتی
حال دل کا نہیں دیکھا جاتا

ooo

چشم ظاہر سے رُخِ یار کا پردہ دیکھا
آنکھیں جب پھوٹ گئیں تب یہ تماشا دیکھا
دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے تمہیں کیسا چاہا
پوچھنا یہ ہے کہ تم نے ہمیں کیسا دیکھا

ooo

وہ بھی ہیں ساغرِ شراب بھی ہے
چاند کے پاس آفتاب بھی ہے

ooo

گلشنِ خُلد کی کیا بات ہے کیا کہنا ہے
پر ہمیں تیرے ہی کوچے میں پڑا رہنا ہے

ooo

برسی پھوار رنگ کھلے دل بکھر گئے
آئی بہار پھول کھلے جام بھر گئے

ooo

ساقیا اور بھی اک ساغر پر جوش مجھے
دیکھ ایسا نہ ہو آجائے کہیں ہوش مجھے

ooo

آرزوئے دید جاناں، بزم میں لائی مجھے
بزم سے مَیں آرزوئے دید جاناں لے چلا

ooo

ڈھونڈتی تھی ہر طرف کس کو نگاہِ واپسیں
اس کس کے دید کی بیمارِ ہجراں لے چلا

ooo

تلووں سے راستہ چمن دلکشا بنا
جلوؤں سے آئینہ درو دیوار ہو گئے

ooo

طور نے تو خوب دیکھا جلوۂ شانِ جمال
اس طرف بھی اک نظرائے برقِ تابانِ جمال

ooo

بہاروں پر ہیں آج آرائشیں گلزارِ جنت کی
سواری آنے والی ہے شہیدانِ محبت کی
ہوا چھڑکاؤ پانی کی جگہ اشکِ یتیماں سے
بجائے فرش آنکھیں بچھ گئیں اہلِ بصیرت کی
ہوائیں گلشنِ فردوس سے بس بس کے آئی ہیں
نرالی عطر میں ڈوبی ہوئی ہے روح نکہت کی
زمین کربلا پر آج ایسا حشر برپا ہے
کہ کھنچ کھنچ کر مٹی جاتی ہیں تصویریں قیامت کی

ooo

از اُردوئے معلّیٰ علی گڑھ، جون ۱۹۱۲ء

بے اَدب گستاخ فرقے کو سُنا دے اَے حسنؔ
یُوں کہا کرتے ہیں سُنّی داستانِ اہلِ بیت

آئینۂ قیامت

◎

مُحمّد حسن رضا خان حسنؔ رحمۃُ اللہ علیہ

(المتوفّٰی ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء)

○

ترتیب و تحشیہ

مُجاہدِ ملّت مولانا مُحمّد عبدُ السّتّار خان نیازؔی

○

مکتبۂ رِضویہ، لاہور

مقامِ اشاعت — رضوی کتب خانہ — بہاری پور بریلی

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

الحمد للہ کہ کتاب مستطاب و رسالۂ نایاب مشعر حالات شہادت
مسمّٰی بہ

آئینۂ قیامت

مؤلفہ حضرت مولانا مولوی حاجی محمد حسن رضا خاں صاحب
ماحی بدعت حامی سنت مداح و جان نثار شان رسالت قدس اللہ روحہ ونور مرقدہ
قادری برکاتی البریلوی

رضوی کتب خانہ ... طبع ہوئی
الکٹرک پریس بریلی میں چھپی
بار نہم
۵۰۰ جلد
قیمت فی جلد ۴ر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

ہمارے حضور پُرنور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام کمالات وصفات کا مجمع خلق فرمایا حضور کے سے اوصاف حمیدہ وخصائل پسندیدہ کسی مَلک کسی بشر کسی رسول کسی پیغمبر میں ممکن نہیں۔ بنظر ظاہر صرف فضل شہادت اس بارگاہ عرش اشتباہ کی حاضری سے محروم رہا اسکی نسبت علمائے کرام کا خیال ہے اور کتنا نفیس خیال ہے کہ جنگ احد شریف میں محبوب مصطفےٰ جانِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دندانِ مبارک شہید ہونا سب شہیدوں کی شہادت سے افضل ہے اور جس وقت حضور پُرنور کا تعلق خاطر شاہزادوں کے ساتھ خیال میں آتا ہے تو اس امر کے اظہار میں کچھ بھی تامل نہیں رہتا کہ ان حضرات کی شہادت حضور ہی کی شہادت ہے اور انھوں نے نیابۃً اس شرف کو سرسبزی وسرخروئی عطا فرمائی۔ ایک بار حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت اقدس ہو کر حضور پرنور کے شانۂ مبارک پر سوار ہوگئے۔ ایک صاحب نے عرض کی صاحبزادے آپکی سواری کیسی اچھی سواری ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اور سوار کیسا اچھا سوار ہے۔ حضور پرنور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدے میں تھے کہ امام حسن پشت مبارک سے لپٹ گئے حضور نے سجدے کو طول دیا کہ سر اُٹھانے سے کہیں گر نہ جائیں امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نسبت ارشاد ہوتا ہے ہمارے یہ دونوں بیٹے جوانان جنت کے سردار ہیں۔ اور فرمایا جاتا ہے ان کا دوست ہمارا دوست ان کا دشمن ہمارا دشمن ہے۔ اور فرماتے ہیں یہ دونوں عرش کی تلواریں ہیں۔

اور فرماتے ہیں حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ دوست رکھے اُسے جو حسین کو دوست رکھے۔ حسین سبط ہے اسباط سے۔ ایک روز حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دہنے زانو پر امام حسین اور بائیں پر حضور کے صاحبزادے حضرت ابراہیم بیٹھے تھے حضرت جبریل نے حاضر ہو کر عرض کی کہ ان دونوں کو خدا حضور کے پاس نہ رکھے گا ایک کو اختیار فرمالیجیے حضور نے

حضرت امام حسین کی جدائی گوارا نہ فرمائی تین دن بعد حضرت ابراہیم کا انتقال ہو گیا اس واقعہ کے بعد جب حاضر ہوتے آپ بوسے لیتے اور فرماتے مَرْحَبًا بِمَنْ فَدَيْتُهُ بِابْنِي ایسے کو مرحبا جس پر میں نے اپنا بیٹا قربان کیا اور فرماتے ہیں یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں الٰہی میں ان کو دوست رکھتا ہوں تو بھی انہیں دوست رکھ اور اُسے دوست رکھ جو انھیں دوست رکھے۔ بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرماتے میرے دونوں بیٹوں کو لاؤ پھر دونوں کو سونگھتے اور سینۂ انور سے لگا لیتے۔ جب حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ ارشاد اور شاہزادوں کی ایسی پاسداریاں نازبرداریاں یاد آتی ہیں اور واقعات شہادت پر نظر جاتی ہے تو حسرت کی آنکھوں سے آنسو نہیں لہو کی بوندیں ٹپکتی ہیں اور خدا کی بے نیازی کا عالم آنکھوں کے سامنے چھا جاتا ہے یہ مقدس صورتیں خدا کی دوست ہیں اور اللہ جل جلالہ کی عادت کریمہ ہے کہ دنیاوی زندگی میں اپنے دوستوں کو بلاؤں میں گھرا رکھتا ہے۔ ایک صاحب نے عرض کی کہ میں حضور سے محبت رکھتا ہوں فرمایا فقر کے لیے مستعد ہو جا۔ عرض کی اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتا ہوں ارشاد ہوا بلا کے لیے آمادہ ہو۔ اور فرماتے ہیں سخت ترین بلا انبیا علیہم الصلاۃ والثنا پر ہے پھر جو بہتر ہیں۔ پھر جو بہتر ہیں ع نزدیکاں را بیش بود حیرانی ع جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے[1] ہمارے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا نے اشرف ترین مخلوق بنایا اور محبوبیت خاص کا خلعت فاخرہ عطا فرمایا اسی وجہ سے دنیا کی جو بلائیں آپ نے اُٹھائیں اور جو مصیبتیں آپ نے برداشت کیں کسی سے اُن کا تحمل ممکن نہیں اللہ اللہ محبوبیت کی تو وہ ادائیں کہ فرمایا جاتا ہے لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا[2] اے محبوب ہیں اگر تمکو نہ پیدا کرتا تو دنیا ہی کو نہ بناتا علو مرتبت کی وہ کیفیتیں کہ اپنے خزانوں کی کنجیاں دیکر مختار کل بنا دیا کہ جو چاہو کرو سیاہ وسپید کا تمہیں اختیار ہے ایسے بادشاہ جن کے مقدس سر پر دونوں عالم کی حکومت کا چمکتا تاج رکھا گیا۔ ایسے رفعت پناہ جن کے مبارک پاؤں کے نیچے تخت الٰہی بچھایا گیا شاہی لنگر کے فقیر سلاطین عالم سلطانی باڑے کے محتاج شاہان معظم دنیا کی نعمتیں بانٹنے والے زمانے کی دولتیں دینے والے بھکاریوں کی

---

[1] مقربین کو حیرانی زیادہ ہوتی ہے۔

[2] دیگر احادیث قدسی میں اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یُوں فرمایا جا رہا ہے:-

ا۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ یعنی میرے نبی اگر تجھے پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو بھی پیدا نہ کرتا۔

ب۔ لَوْلَاكَ لَمَا أَظْهَرْتُ الرُّبُوبِيَّةَ۔ پیارے اگر تو نہ ہوتا تو میں اپنے رب ہونے کو ظاہر نہ کرتا۔

جھولیاں بھریں تو منہ مانگی مُرادیں پوری کریں اب کاشانۂ اقدس اور دولتسرائے مقدس کی طرف نگاہ جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی شان نظر آتی ہے ایسے جلیل القدر بادشاہ جن کی قاہر حکومت مشرق مغرب کو گھیر چکی اور جن کا ڈنکا ہفت آسمان و تمام روئے زمین میں بج رہا ہے اُن کے برگزیدہ گھر میں دُنیا کی آسایش کی کوئی چیز نہیں آرام کے اسباب تو درکنار خشک کھجوریں اور جَو کے بے چھنے آٹے کی روٹی بھی تمام عمر پیٹ بھر کر نہ کھائی ؂

کُل جہاں مِلک اور جَو کی روٹی غذا
اُس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

شاہی لباس دیکھیے تو ستّرہ ستّرہ پیوند لگے ہیں وہ بھی ایک کپڑے کے نہیں دو دو مہینے سلطانی باورچی خانے سے دُھواں بلند نہیں ہوتا دنیوی عیش و عشرت کی تو یہ کیفیت ہے۔ دینی وجاہت دیکھیے تو اس کملی والے تاجدار کی شوکت اور اس سادگی پسندی کی وجاہت سے دونوں عالم گونج رہے ہیں ؂

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں اُنکے خالی ہاتھ میں

یہاں یہ امر بھی بیان کردینے کے قابل ہے کہ یہ تکلیفیں یہ مصیبتیں محض اپنی خوشی سے اُٹھائی گئیں اس میں مجبوری کو ہرگز دخل نہ تھا۔ ایک بار آپکے ہی خواہ اور رضا جو دوست جل جلالہ نے پیام بھیجا کہ تم کہو تو مکہ کے دو پہاڑوں کو (جنھیں اخشبین کہتے ہیں) سونے کا بنادوں کہ وہ تمہارے ساتھ رہیں عرض کی یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن دے کہ شکر بجالاؤں ایکدن بھوکا رکھ کہ صبر کروں۔ مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضور کو نفس مطمئنہ عطا فرمایا ہے اگر آپ عیش و عشرت میں بسر فرماتے اور آسایش و راحت محبوب رکھتے تو آپ کا پروردگار آپ کی خوشی پر خوش ہونیوالا دنیا میں جنتوں کو اُتار کر رکھدیتا اور یہ سامان عیش آپکے برگزیدہ اور پاک نفس میں ہرگز تغیر پیدا نہ کرسکتا ایسی حالت میں یہ بلا پسندی اور مصیبت دوستی اسی بنیاد پر ہوسکتی ہے کہ آپ رحمۃ العالمین ٹھہرے دُنیا کی ہر چیز کے حق میں رحمت ہو کر آئے اگر آپ عیش و عشرت میں مشغول رہتے تو تکلیف و مصیبت جنسے عاقبت میں حضور کے غلاموں کو بھی سروکار نہوگا برکات سے محروم رہجاتیں۔ ایک بار حضور مسلمانوں کو کنیزیں اور غلام تقسیم فرما رہے تھے

مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا جاؤ تم بھی اپنے لیے کوئی کنیز لے آؤ حاضر ہوئیں اور ہاتھ دکھا کر عرض کرنے لگیں کہ چکیاں پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں ایک کنیز مجھے بھی عنایت ہو ارشاد ہوا اے فاطمہ میں تجھے ایسی چیز بتاتا ہوں جو کنیز و غلام سے زیادہ کام دے تو رات کو سوتے وقت سُبْحَانَ اللّٰهِ ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۳۳ بار اَللّٰهُ اَكْبَرُ ۳۴ بار پڑھکر سو رہا کر۔ ایک بار حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کاشانہ میں تشریف لے گئے دروازہ تک رونق افروز ہوئے تھے کہ فاطمہ کے ہاتھوں میں چاندی کی ایک جوڑی ملاحظہ فرمائی واپس تشریف لے آئے حضرت بتول نے وہ جوڑیاں حاضر کر دیں کہ انھیں تصدق کر دیجیے مساکین کو عطا فرما دی گئیں اور دو چوڑیاں عاج کی مرحمت ہوئیں اور ارشاد ہوا فاطمہ دنیا محمد اور آل محمد کے لائق نہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر آئے دیکھا کہ کھجور کی چٹائی پر آرام فرما رہے ہیں اور اس نازک جسم اور نازنین بدن پر بوریے کے نشان بن گئے ہیں یہ حالت دیکھکر بے اختیار رونے لگے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ قیصر و کسریٰ خدا کے دشمن ناز و نعمت میں بسر کریں اور خدا کا محبوب تکلیف و مصیبت میں۔ ارشاد ہوا کیا تو اس امر پر راضی نہیں کہ انھیں دنیا کے عیش ملیں اور تو عقبیٰ کی خوبیوں سے بہرہ ور ہو۔ حضرت سری سقطی سے بذریعہ الہام فرمایا گیا اے سری میں نے مخلوق پیدا فرما کر اس سے پوچھا کیا تم مجھکو دوست رکھتے ہو سب نے بالاتفاق عرض کی کہ تیرے سوا اور کون ہے جسے ہم دوست رکھیں گے پھر میں نے دنیا بنائی نو حصے اس کی طرف ہو گئے ایک حصہ نے کہا ہم اس کی خاطر تجھ سے جدائی نہ کریں گے پھر آخرت خلق فرمائی اس ایک حصہ سے نو حصے اس کے خریدار ہو گئے باقیوں نے عرض کی ہم دنیا کے سائل نہ آخرت پر مائل ہم تو تیرے چاہنے والے ہیں پھر بلائیں پیش کیں ان میں سے بھی نو حصے گھبرا کر پریشان ہو گئے ایک حصہ نے عرض کی تو زمین و آسمان کے چودہ طبق کو بلا کا ایک طوق بنا کر ہمارے گلے میں ڈال دے مگر ہم تیری طرف سے مونھ پھیرنے والے نہیں ان کی نسبت ارشاد

ہوا اولٰئکَ اَولِیَائی حَقّاً یہ میرے سچے دوست ہیں۔ اب اہل بیت کرام کی بلا پسندی حیرت کی آنکھوں سے دیکھنے کے قابل ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بلا و نعمت کے بارے میں سوال ہوا فرمایا ہمارے نزدیک دونوں برابر ہیں ع ہرچہ از دوست میرسد نیکوست۔[1] امام حسن رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی ارشاد ہوا اللہ ابوذر پر رحم کرے مگر ہم اہل بیت کے نزدیک بلا نعمت سے افضل ہے کہ نعمت میں نفس کا بھی حظ ہے اور بلا محض رضائے دوست ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

یزید پلید کی تخت نشینی اور قیامت کے سامان

ہجرت کا ساٹھواں سال اور رجب کا مہینہ کچھ ایسا دل دکھانیوالا سامان اپنے ساتھ لایا جس کا نظارہ اسلامی دنیا کی آنکھوں کو ناچار اس طرف کھینچتا ہے جہاں کلیجہ نوچنے والی آفتوں بےچین کردینے والی تکلیفوں نے دیندار دلوں کے بیقرار کرنے اور خدا پرست طبیعتوں کو بیتاب بنانے کے لیے حسرت و بیکسی کا سامان جمع کیا ہے یزید پلید کا تخت سلطنت کو اپنے ناپاک قدم سے گندہ کرنا ان ناقابل برداشت مصیبتوں کی تمہید ہے جن کو بیان کرتے کلیجہ منہ کو آتا اور دل ایک غیر معمولی بیقراری کے ساتھ پہلو میں پھڑک جاتا ہے اس مردود نے اپنی حکومت کی مضبوطی اپنی ذلیل عزت کی ترقی اس امر میں منحصر سمجھی کہ اہل بیت کرام کے مقدس و بے گناہ خون سے اپنی ناپاک تلوار رنگے اس جہنمی کی نیت بدلتے ہی زمانے کی ہوا نے پلٹے کھائے اور زہریلے جھونکے آئے کہ جاوداں بہاروں کے پاک گریبان بے خزاں پھولوں نوشگفتہ گلوں کے غم میں چاک ہوئے مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہری بھری لہلہاتی پھلواری کے سہانے نازک پھول مرجھا مرجھا کر طراز دامن خاک ہوئے اس خبیث کا پہلا حملہ سیدنا امام حسن پر چلا جعدہ زوجہ امام عالی مقام کو بہکایا کہ اگر تو زہر دیکر

[1] دوست سے جو کچھ پہنچے اچھا ہوتا ہے۔

امام کا کام تمام کر دے گی تو میں تجھ سے نکاح کر لوں گا وہ شقیہ بادشاہ بیگم بننے کے لالچ میں شاہان جنت کا ساتھ چھوڑ کر سلطنت عقبیٰ سے موٗنھ موڑ کر جہنم کی راہ پر ہولی کئی بار زہر دیا کچھ اثر نہ ہوا پھر تو جی کھول کر اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے بھرے اور امام جنت مقام کو سخت تیز زہر دیا یہاں تک کہ مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جگر پارے کے اعضائے باطنی پارہ پارہ ہو کر نکلنے لگے یہ بے چین کرنیوالی خبر سُنکر حضرت امام حسین اپنے پیارے بھائی کے پاس حاضر ہوئے سرہانے بیٹھکر گزارش کی حضرت کو کس نے زہر دیا فرمایا اگر وہ ہے جو میرے خیال میں ہے تو اللہ بڑا بدلا لینے والا ہے اور اگر نہیں تو میں بے گناہ سے عوض نہیں چاہتا ایک روایت میں ہے۔ فرمایا بھائی لوگ ہم سے یہ امید رکھتے ہیں کہ روز قیامت ہم اُن کی شفاعت فرما کر کام آئیں نہ یہ کہ اُن کے ساتھ غضب اور انتقام کو کام میں لائیں ؎

واہ رے حلم کہ اپنا تو جگر ٹکڑے ہو پھر بھی ایذائے ستمگر کے روادار نہیں

پھر جانے والے امام نے آنے والے امام کو یوں وصیت فرمائی حسین دیکھو سفیہان کوفہ سے ڈرتے رہنا مبادا وہ تمھیں باتوں میں لیکر بلائیں اور وقت پر چھوڑ دیں پھر پچھتاؤ گے اور بچاؤ کا وقت گزر جائے گا۔ بیشک امام عالی مقام کی یہ وصیت موتیوں میں تولنے کے قابل اور دل پر لکھ لینے کے لائق تھی مگر اس ہونیوالے واقعے کو کون روک سکتا جسے قدرت نے مدتوں پہلے سے مشہور کر رکھا تھا۔ حضور سرور عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ سے تین سو برس پیشتر یہ شعر ایک پتھر پر لکھا ملا ؎

أَتَرْجُو أُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا شَفَاعَةَ جَدِّهِ يَوْمَ الْحِسَابِ

کیا حسین کے قاتل یہ بھی امید رکھتے ہیں کہ روز قیامت اُس کے نانا صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت پائیں۔ یہی شعر ارض روم کی ایک گرجا میں لکھا پایا گیا اور لکھنے والا معلوم نہوا کئی حدیثوں میں ہے حضور سرور عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے کاشانہ میں تشریف فرما تھے ایک فرشتہ کہ پہلے کبھی حاضر نہ ہوا تھا اللہ تبارک وتعالیٰ سے

حاضری کی اجازت لیکر آستان بوس ہوا حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ام المؤمنین سے ارشاد فرمایا دروازے کی نگہبانی رکھو کوئی آنے نہ پائے اتنے میں سیدنا امام حسین دروازہ کھول کر حاضر خدمت ہوئے اور کود کر حضور پُرنور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی گود میں جا بیٹھے حضور پیار فرمانے لگے فرشتے نے عرض کی حضور انھیں چاہتے ہیں فرمایا ہاں عرض کی وہ وقت قریب آتا ہی کہ حضور کی امت اِنھیں شہید کرے گی اور حضور چاہیں وہ زمین حضور کو دکھادوں جہاں یہ شہید کیے جائیں گے پھر سرخ مٹی اور ایک روایت میں ہو ریتا ایک میں ہے کنکریاں حاضر کیں حضور نے سونگھ کر فرمایا رِيحُ كَرْبٍ وَّبَلَاءٍ بیچینی اور بلا کی بو آتی ہے پھر ام المؤمنین کو وہ مٹی عطا ہوئی اور ارشاد ہوا جب یہ خون ہوجائے تو جاننا کہ حسین شہید ہوا انھوں نے وہ مٹی ایک شیشی میں رکھ چھوڑی ام المؤمنین فرماتی ہیں میں کہا کرتی جس دن یہ مٹی خون ہوجائیگی کیسی سختی کا دن ہوگا۔ امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ صفین کو جاتے ہوئے زمین کربلا پر گزرے نام پوچھا لوگوں نے کہا کربلا یہاں تک روئے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر فرمایا میں خدمت اقدس حضور سید عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوا حضور کو روتا پایا سبب پوچھا فرمایا ابھی جبریل کہہ گئے ہیں کہ میرا بیٹا حسین فرات کے کنارے کربلا میں قتل کیا جائے گا پھر جبریل نے وہاں کی مٹی مجھے سونگھائی مجھ سے ضبط نہ ہوسکا اور آنکھیں بہ نکلیں ایک روایت میں ہے مولٰی علی اُس مقام سے گزرے جہاں اب امام مظلوم کی قبر مبارک ہے فرمایا یہاں اُنکی سواریاں بٹھائی جائیں گی یہاں اُن کے کجاوے رکھے جائیں گے اور یہاں اُن کے خون گریں گے آلِ محمد صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کچھ نوجوان اس میدان میں قتل ہونگے جنپر زمین و آسمان روئیں گے۔ اللھم صل علٰے سیدنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین۔

امام مظلوم سے مدینہ چھوٹتا ہی

امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کام تمام کرکے جب یزید پلید نے اپنے ناشاد دل کو خوش کرلیا

اب اُس شقی کو امام حسین یاد آئے مدینہ کے صوبہ دار ولید کو خط لکھا کہ حسین اور عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن زبیر سے بیعت کے لیے کہے اور مہلت نہ دے ابن عمر ایک مسجد میں بیٹھنے والے آدمی ہیں اور ابن زبیر جب تک موقع نہ پائیں گے خاموش رہیں گے ہاں حسین کی بیعت لینی سب سے زیادہ ضروری ہے کہ یہ شیر اور شیر کا بیٹا موقع کا انتظار نہ کرے گا صوبہ دار نے خط پڑھکر پیامی بھیجا امام نے فرمایا چلو آتے ہیں پھر عبداللہ ابن زبیر سے فرمایا دربار کا وقت نہیں ہے وقت بُلانے سے معلوم ہوتا ہے کہ سردار نے وفات پائی ہیں اس لیے بُلایا جاتا ہے کہ موت کی خبر مشہور ہونے سے پہلے یزید کی بیعت ہم سے لی جائے۔ ابن زبیر نے عرض کی میرا بھی یہی خیال ہے ایسی حالت میں آپ کی کیا رائے ہے فرمایا میں اپنے جوان جمع کر کے جاتا ہوں ساتھیوں کو دروازے پر بٹھا کر اُس کے پاس جاؤں گا ابن زبیر نے کہا مجھے اُس کی جانب سے اندیشہ ہے فرمایا وہ میرا کچھ نہیں کرسکتا پھر اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف لے گئے ہمراہیوں کو ہدایت کی جب میں بلاؤں یا میری آواز بلند ہوتے سنو اندر چلے آنا اور میں جبتک واپس نہ آؤں کہیں ہلکر نہ جانا یہ فرما کر اندر تشریف لے گئے ولید کے پاس مروان کو بیٹھا پایا سلام علیک کر کے تشریف رکھی ولید نے خط پڑھکر سُنایا وہی مضمون پایا جو حضور کے خیال شریف میں آیا تھا بیعت کا حال سُنکر ارشاد ہوا مجھ جیسے چھپکر بیعت نہیں کرتے سب کو جمع کرو بیعت لو پھر ہم سے کہو ولید نے بنظر عافیت پسندی عرض کی بہتر تشریف لیجائیے مروان بولا اگر اس وقت انھیں چھوڑ دے گا اور بیعت نہ لے گا تو جب تک بہت سی جانوں کا خون نہو جائے ایسا وقت ہاتھ نہ آئے گا ابھی روک لے بیعت کریں تو خیر ورنہ گردن مار دے یہ سُنکر امام نے فرمایا ابن الزرقا تو یا وہ کیا یہ مجھے قتل کرسکتا ہے خدا کی قسم تو نے جھوٹ کہا اور پاجی پن کی بات کی یہ فرما کر واپس تشریف لائے مروان نے ولید سے کہا خدا کی قسم اب ایسا موقع نہ ملیگا ولید بولا مجھے پسند نہیں کہ بیعت نہ کرنے پر حسین کو قتل کردوں مجھے تمام جہان کے ملک و مال کے بدلے میں بھی حسین کا قتل منظور نہیں میرے نزدیک حسین کے خون کا جس

شخص سے مطالبہ ہوگا وہ قیامت کے دن خدائے قہار کے سامنے ہلکی تول والا ہی مروان نے منافقانہ طور پر کہدیا تو نے ٹھیک کہا دوبارہ آدمی آیا فرمایا صبح ہونے دو اور قصد فرمالیا کہ رات میں مکہ کے ارادے سے مع اہل وعیال سفر فرمایا جائے گا۔ یہ رات امام نے اپنے جد کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے روضۂ منورہ میں گزاری کہ آخر تو فراق کی ٹھہرتی ہے چلتے وقت تو اپنے جد کریم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی مقدس گود سے لپٹ لیں پھر خدا جانے زندگی میں ایسا وقت ملے یا نہ ملے امام آرام میں تھے کہ خواب دیکھا حضور پُر نور تشریف لائے ہیں اور امام کو کلیجے سے لگا کر فرماتے ہیں حسین وہ وقت قریب آتا ہے کہ تم پیاسے شہید کیے جاؤ اور جنت میں شہیدوں کے بڑے درجے ہیں یہ دیکھکر آنکھ کھل گئی اُٹھے اور روضۂ مقدس کے سامنے رخصت ہونیکو حاضر ہوئے مسلمانو حیات دنیوی میں امام کی یہ حاضری پچھلی حاضری ہے، صلاۃ وسلام عرض کرنے کے بعد سر جھکا کر کھڑے ہو گئے ہیں غم فراق کلیجے میں چٹکیاں لے رہا ہے آنکھوں سے لگاتار آنسو جاری ہیں رقت کے جوش نے جسم مبارک میں رعشہ پیدا کر دیا ہے بےقراریوں نے محشر برپا کر رکھا ہے دل کہتا ہے سر جائے مگر یہاں سے قدم نہ اُٹھائیے صبح کے کھٹکے کا تقاضا ہے جلد تشریف لے جائیے دو قدم جاتے ہیں اور پھر پلٹ آتے ہیں حب وطن قدموں پر لوٹتی ہے کہ کہاں جاتے ہو غربت دامن کھینچتی ہے کیوں دیر لگاتے ہو شوق کی تمنا ہے کہ عمر بھر نہ جائیں مجبوریوں کا تقاضا ہے دم بھر نہ ٹھہرنے پائیں شعبان کی چوتھی رات کے تین پہر گزر چکے ہیں اور پچھلے کے نرم نرم جھونکے سونیوالوں کو تھپک تھپک کے سلا رہے ہیں ستاروں کے سنہرے رنگ میں کچھ کچھ سپیدی ظاہر ہو چلی ہے اندھیری رات کی تاریکی اپنا دامن سمیٹنا چاہتی ہے تمام شہر میں سناٹا ہے نہ کسی بولنے والے کی آواز کان تک پہنچتی ہے نہ کسی چلنے والے کی ہیچل سنائی دیتی ہے شہر بھر کے دروازے بند ہیں ہاں خاندان نبوت کے مکانوں میں اسوقت جاگ ہو رہی ہے اور سامان سفر درست کیا جا رہا ہے ضرورت کی چیزیں باہر نکالی گئی ہیں سواریاں دروازوں پر تیار کھڑی ہیں محمل کس گئے ہیں پردے کا انتظام ہو چکا ہے

ادھر امام کے بیٹے بھائی بھتیجے گھر والے سوار ہو رہے ہیں اُدھر امام مسجد نبوی سے باہر تشریف لائے ہیں محرابوں نے سر جھکا کر تسلیم کی میناروں نے کھڑے ہو کر تعظیم دی قافلہ سالار کے تشریف لاتے ہی نبی زادوں کا قافلہ روانہ ہو گیا ہے مدینہ میں اہل بیت سے حضرت صغریٰ امام مظلوم کی صاحبزادی اور جناب محمد بن حنفیہ مولیٰ علی کے بیٹے باقی رہ گئے ہیں اللہ اکبر ایک وہ دن تھا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کافروں کی ایذا دہی اور تکلیف رسانی کی وجہ سے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی مدینہ والوں نے جب یہ خبر سنی دلوں میں مسرت آمیز اُمنگوں نے جوش مارا اور آنکھوں میں شادی عید کا نقشہ کھنچ گیا آمد آمد کا انتظار لوگوں کو آبادی سے نکال کر پہاڑوں پرے جاتا منتظر آنکھیں مکہ کی راہ کو جہاں تک اُن کی نظر پہنچتی ٹکٹکی باندھ کر تکتیں اور مشتاق دل ہر آنے والے کو دور سے دیکھ کر چونک پڑتے جب آفتاب گرم ہو جاتا گھروں پر واپس آتے اسی کیفیت میں کئی دن گزر گئے ایک دن اور روز کی طرح وقت بے وقت ہو گیا تھا اور انتظار کرنے والے حسرتوں کو سمجھاتے تمناؤں کو تسکین دیتے پلٹ چکے تھے کہ ایک یہودی نے بلندی سے آواز دی اے راہ دیکھنے والو پلٹو تمہارا مقصود بر آیا اور تمہارا مطلب پورا ہوا اس صدا کے سنتے ہی وہ آنکھیں جن پر ابھی حسرت آمیز حیرت چھا گئی تھی اشک شادی برسا چلیں وہ دل جو مایوسی سے مرجھا گئے تھے تازگی کے ساتھ جوش مارنے لگے بیقرارانہ پیشوائی کو بڑھے پروانہ وار قربان ہوتے آبادی تک لائے اب کیا تھا خوشی کی گھڑی آئی مونھ مانگی مراد پائی گھر گھر سے نغمات شادی کی آوازیں بلند ہوئیں پردہ نشین لڑکیاں دف بجاتی خوشی کے لہجوں میں مبارکباد کے گیت گاتی نکل آئیں ؎[1]

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا ٭ مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاع ٭ وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا ٭ مَادَعَا لِلّٰہِ دَاع

بنی نجار کی لڑکیاں گلی کوچوں میں اس شعر سے اظہار مسرت کرتی ہوئی ظاہر ہوئیں ؎[2]

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ ٭ یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ

غرض مسرت کا جوش تھا در و دیوار سے خوشی ٹپکی پڑتی تھی ایک آج کا دن ہے کہ امام مظلوم

[1] وداع کے ٹیلوں سے ہم پر ایک چاند طلوع ہوا جب تک کوئی بلانے والا اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا رہے گا، ہم پر اس (چاند) کا شکر واجب ہے۔

[2] ہم قبیلہ بنی نجار کی بچیاں ہیں حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کیسے اچھے پڑوسی ہیں ؎

کہ ہم ہیں بچیاں نجار کے عالی گھرانے کی ٭ خوشی ہے آمنہ کے لال کے تشریف لانے کی

سے مدینہ چھوٹتا ہو مدینہ ہی نہیں بلکہ دنیا کی سب راحتیں تمام آسائشیں ایک ایک کرکے رخصت ہوتی اور خیر باد کہتی ہیں یہ سب در کنار ناز اُٹھانے والی ماں کا پڑوس ماںجائے بھائی کا ہمسایہ اور سب سے بڑھکر امام پر اپنا بیٹا قربان کر دینے والے جد کریم (علیہ الصلاۃ والتسلیم) کا قرب کیا یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی طرف سے آسانی کے ساتھ آنکھیں پھیرلی جائیں آسانی سے آنکھیں پھیرنی کیسی اگر امام کو مدینہ چھوڑنے پر قتل کر دیا جاتا تو قتل ہو جانا منظور فرماتے اور مدینہ سے باہر پاؤں نہ نکالتے مگر اس مجبوری کا کیا علاج کہ امام کے ناقہ کو قضا مہار پکڑے اس میدان کی جانب لیے جاتی ہے جہاں قسمت نے پردیسیوں کے قتل ہونے پیاسوں کے شہید کیے جانے کا سامان جمع کیا ہو مدینے کی زمین جسپر آپ گھٹنوں چلے جس نے آپ کی بچپن کی بہاریں دیکھیں جسپر آپ کی جوانی کی کراتیں ظاہر ہوئیں اپنے سر پر خاکِ حسرت ڈالتی اور پردیس جانے والے کے پیارے پیارے نازک پاؤں سے لپٹ لپٹ کر زبانِ حال سے عرض کر رہی ہو کہ اے فاطمہ کی گود کے سنگھار کلیجے کی ٹھنڈک زندگی کی بہار کہاں کا ارادہ فرمادیا وہ کونسی سرزمین ہے جسے یہ عزت والے پاؤں جو میری آنکھوں کے تارے ہیں شرف بخشنے کا قصد فرماتے ہیں ؎

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو [1] تو کجا بہرِ تماشا میروی

جس قدر یہ برکت والا قافلہ نگاہ سے دور ہوتا جاتا ہے اسی قدر پیچھے رہ جانے والی پہاڑیاں اور مسجدِ نبوی کے منارے سر اٹھا اٹھا کر دیکھنے کی خواہش زیادہ ظاہر کرتے ہیں یہاں تک کہ جانے والے نگاہوں سے غائب ہو گئے اور مدینہ کی آبادی پر حسرت بھرا سناٹا چھا گیا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن

راستے میں عبداللہ بن مطیع ملے عرض کی کہاں کا قصد فرمادیا فی الحال مکہ کا عرض کی کوفہ کا عزم نہ فرمایا جائے وہ بڑا بے ڈھنگا شہر ہے وہاں آپ کے والد ماجد شہید ہوئے آپ کے بھائی سے دغا کی گئی آپ مکے کے سوا کہیں کا ارادہ نہ فرمائیں اگر شہید ہو جائنگے

[1] آپ نظارہ کے لیے کہاں جارہے ہیں جب کہ دنیا کی نگاہیں آپ کے روئے انور پر مرتکز ہیں۔

تو خدا کی قسم ہمارا ٹھکانا نہ لگا رہے گا ہم سب غلام بنا لیے جائیں گے۔ بالآخر حضور مکہ پہنچکر ساتویں ذی الحجہ تک امن و امان کے ساتھ قیام فرما رہے۔

کوفیوں کی شرارت اور امام مسلم کی شہادت

جب اہل کوفہ کو یزید خبیث کی تخت نشینی اور امام سے بیعت طلب کیے جانے اور امام کے مدینہ چھوڑ کر کے تشریف لانے کی خبر پہنچی فریب دہی و عیاری کی پرانی روش یاد آئی سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر جمع ہوئے مشورہ ہو کر عرضی لکھی کہ تشریف لائیے اور ہم کو یزید کے ظلم سے بچائیے ڈیڑھ سو عرضیاں جمع ہو جانے پر امام نے تحریر فرمایا کہ اپنے معتمد چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں اگر یہ تمہارا معاملہ ٹھیک دیکھکر اطلاع دیں گے تو ہم جلد تشریف لائیں گے حضرت مسلم کوفہ پہنچے اُدھر کوفیوں نے امام کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور امام کو مدد دینے کا وعدہ کیا بلکہ اٹھارہ ہزار داخل بیعت بھی ہو گئے اور حضرت مسلم کو یہاں تک باتوں میں لیکر اطمینان دلایا کہ انھوں نے امام کو تشریف لانے کی نسبت لکھا ادھر یزید پلید کو کوفیوں نے خبر دی کہ حسین نے مسلم کو بھیجا ہے کوفہ کے حاکم نعمان بن بشیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اُن کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں کوفہ کا بھلا منظور ہو تو اپنی طرح کوئی زبردست ظالم بھیج اس نے عبداللہ ابن زیاد کو حاکم بنا کر روانہ کیا اور کہا کہ مسلم کو شہید کرے یا کوفہ سے نکال دے جب یہ مردک کوفہ پہنچا امام کے ہمراہ اٹھارہ ہزار کی جماعت پائی امیروں کو دھمکانے پر مقرر کیا کسی کو دھمکی دی کسی کو لالچ سے توڑا یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں امام مسلم کے پاس صرف تیس آدمی رہ گئے مسلم یہ دیکھکر مسجد سے باہر نکلے کہ کہیں پناہ لیں جب دروازہ سے باہر آئے ایک بھی ساتھ نہ تھا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ آخر ایک گھر میں پناہ لی ابن زیاد نے یہ خبر

پاکر فوج بھیجی جب امام مسلم کو آوازیں پہنچیں تلوار لیکر اُٹھے اور اُن روباہ منشوں کو مکان سے باہر نکال دیا کچھ دیر بعد پھر جمع ہو کر آئے شیر خدا کا بھتیجہ پھر تیغ بکف اُٹھا اور آن کی آن میں اُن شغالوں کو پریشان کر دیا کئی بار ایسا ہی ہوا جب اُن نامردوں کا اُس اکیلے مرد خدا پر کچھ بس نہ چلا مجبور ہو کر چھتوں پر چڑھ گئے پتھر اور آگ کے لُوکے پھینکنے شروع کئے شیر مظلوم کا تن اُن ظالموں کے پتھروں سے خونا خون تھا مگر وہ تیغ برکف وکف برلب حملہ فرماتا باہر نکلا اور راہ میں جو گروہ کھڑے تھے اُن پر عقاب عذاب کی طرح ٹوٹا جب یہ حالت دیکھی ابن اشعث نے کہا کہ آپکے لیے امان ہے نہ آپ قتل کیے جائیں نہ کوئی گستاخی ہو مسلم مظلوم تھک کر دیوار سے پیٹھ لگاکر بیٹھ گئے خچر سواری کے لیے حاضر ہوا اُسپر سوار کئے گئے ایک نے تلوار حضور کے ہاتھ سے لے لی فرمایا یہ پہلا مکر ہے ابن اشعث نے کہا کچھ خوف نہ کیجیے فرمایا وہ امان کدھر گئی پھر رونے لگے ایک شخص بولا تم جیسا بہادر اور روئے فرمایا اپنے لیے نہیں روتا ہوں رونا حسین اور آل حسین کا ہے کہ وہ تمھارے اطمینان پر آتے ہونگے اور انھیں اس مکر و بدعہدی کی خبر نہیں پھر ابن اشعث سے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تم مجھے پناہ دینے سے عاجز رہو گے اور تمھاری امان کام نہ دے گی اگر ہو سکے تو اتنا کرو کہ اپنے پاس سے کوئی آدمی امام حسین کے پاس بھیجکر میرے حال کی اطلاع دیدو کہ وہ واپس جائیں اور کوفیوں کے فریب میں نہ آئیں جب مسلم ابن زیاد بدنہاد کے پاس لائے گئے ابن اشعث نے کہا میں انھیں امان دے چکا ہوں وہ خبیث بولا تجھے امان دینے سے کیا تعلق ہم نے تجھے ان کے لانے کو بھیجا تھا نہ کہ امان دینے کو ابن اشعث چپ رہے مسلم اس شدت محنت اور زخموں کی کثرت میں پیاسے تھے ٹھنڈے پانی کا ایک گھڑا دیکھا فرمایا مجھے اس میں سے پلادو ابن عمرو باہلی بولا دیکھتے ہو کیسا ٹھنڈا ہے تم اس میں سے ایک بوند نہ چکھنے پاؤ گے یہاں تک کہ (معاذ اللہ) جہنم میں آب گرم پیو۔ امام مسلم نے فرمایا او سنگدل

درشت خو آب جہنم و نار جحیم کا تو مستحق ہے پھر عمارہ بن عقبہ کو ترس آیا ٹھنڈا پانی منگا کر پیش کیا امام نے پینا چاہا پیالہ خون سے بھر گیا تین بار ایسا ہی ہوا فرمایا خدا ہی کو منظور نہیں جب ابن زیاد بد نہاد کے سامنے گئے اُسے سلام نہ کیا وہ بھڑکا اور کہا تم ضرور قتل کیے جاؤ گے فرمایا تو مجھے وصیت کر لینے دے اُس نے اجازت دی مسلم مظلوم نے عمرو بن سعد سے فرمایا مجھ میں تجھ میں قرابت ہے اور مجھے تجھ سے ایک پوشیدہ حاجت ہے اس سنگدل نے کہا میں سننا نہیں چاہتا ابن زیاد بولا سن لے کہ یہ تیرے چچا کی اولاد ہیں وہ الگ لے گیا فرمایا کوفہ میں میں نے سات سو روپے قرض لیے ہیں وہ ادا کر دینا اور بعد قتل میرا جنازہ ابن زیاد سے لیکر دفن کرا دینا اور امام حسین کے پاس کسی کو بھیجکر منع کرا بھیجنا ابن سعد نے ابن زیاد سے یہ سب باتیں بیان کر دیں وہ بولا کبھی خیانت کرنے والے کو بھی امانت سپرد کی جاتی ہے یعنی اُنھوں نے پوشیدہ رکھنے کو فرمایا تو نے ظاہر کر دیں اپنے مال کا تجھے اختیار ہے جو چاہے کر اور حسین اگر ہمارا قصد نہ کریں گے ہم اُن کا نہ کریں گے ورنہ ہم اُن سے باز نہ رہیں گے رہا مسلم کا جنازہ اس میں ہم تیری سفارش سننے والے نہیں پھر حکم پاکر جلاد ظالم انھیں بالائے قصر لے گیا امام مسلم برابر تسبیح و استغفار میں مشغول تھے یہاں تک کہ شہید کیے گئے اور اُن کا سر مبارک یزید کے پاس بھیجا گیا۔

امام جنت مقام مکہ سے جاتے ہیں

پائی نہ تیغ عشق سے ہم نے کہیں پناہ
قرب حرم میں بھی تو ہیں قربانیوں میں ہم

۶۰ھ کا پچھلا مہینہ ہے اور حج کا زمانہ دنیا کے دور دراز حصوں سے لاکھوں مسلمان وطن چھوڑ کر عزیزوں سے مونھ موڑ کر اپنے رب جل جلالہ کے

مقدس اور برگزیدہ گھر کی زیارت سے مشرف ہونے حاضر آئے ہیں دلوں میں فرحت نے ایک جوش پیدا کر دیا ہے اور سینوں میں سرور لہریں لے رہا ہے کہ یہی ایک رات بیچ میں ہے صبح نویں تاریخ ہے اور مہینوں کی محنت وصول ہونے مدتوں کے ارمان نکلنے کا مبارک دن ہے مسلمان خانۂ کعبہ کے گرد پھر پھر کر نثار ہو رہے ہیں کہ معظمہ میں ہر وقت کی چہل پہل نے دن کو روز عید اور رات کو شب برات کا آئینہ بنا دیا ہے کعبہ کا دلکش بناؤ کچھ ایسی دل آویز اداؤں کا سامان اپنے ساتھ لئے ہوئے ہے کہ لاکھوں کے جمگھٹ میں جسے دیکھیے شوق بھری نگاہوں سے اسی طرف دیکھ رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ پردے کی چلمن سے کسی محبوب دلنواز کی پیاری پیاری تجلیاں چھن چھن کر نکل رہی ہیں جن کی ہوشربا تاثیروں دلکش کیفیتوں نے یہ مجلس آرائیاں کی ہیں عاشقان دلدادہ فرقت کی مصیبتیں جدائی کی تکلیفیں جھیل کر جب خوش قسمتی سے اپنے پیارے معشوق کے آستانہ پر حاضری کا موقع پاتے ہیں ادب و شوق کی انجمن مسرت آمیز بے قراری کی خوش آئند تصویر اُن کی آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتی ہے اور وہ اپنی چمکتی ہوئی تقدیر پر طرح طرح سے ناز کرتے اور بے اختیار کہہ اُٹھتے ہیں ؎

مقام وجد ہے اے دل کہ کوئے یار میں آئے
بڑے دربار میں پہنچے بڑی سرکار میں آئے

غرض آج کا یہ دھوم دھامی جلسہ جو ایک غرض مشترک کیساتھ اپنے محبوب کے در دولت پر حاضر ہے اپنی بھرپور کامیابی پر انتہا سے زیادہ مسرت ظاہر کر رہا ہے مگر امام مظلوم کے مقدس چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی خاص وجہ سے اس مجمع میں شریک نہیں رہ سکتے یا ان کے سامنے سے کسی نے پردہ اُٹھا کر کچھ ایسا عالم دکھا دیا ہے کہ ان کی مقدس نگاہ کو اس مبارک منظر کی طرف دیکھنے اور اُدھر متوجہ ہونے کی فرصت

ہی نہیں اور اگر کسی وقت حاجیوں کے جماؤ کی طرف حسرت سے دیکھتے اور حج نفل کے فوت ہونے پر اظہار افسوس بھی کرتے ہیں تو تقدیر زبان حال سے کہہ اٹھتی ہی کہ حسین تم غمگین نہو اگر اس سال حج نہ کرنے کا افسوس ہے تو میں نے تمہارے لیے حج اکبر کا سامان مہیا کیا ہی اور کمر شوق پر دامن ہمت کا مبارک احرام چست باندھو اگر حاجیوں کی سعی کے لیے مکہ کا ایک نالہ مقرر کیا ہی تو تمہارے لیے مکے سے کربلا تک وسیع میدان موجود ہی حاجی اگر زمزم کا پانی پئیں تو تمہیں تین دن پیاسا رکھکر شربت دیدار پلایا جائیگا کہ پیو تو خوب سیراب ہو کر پیو حاجی بقرعید کی دسویں کو مکہ میں جانور ذبح کی قربانیاں کریں گے تو تم محرم کی دسویں کو کربلا کے میدان میں اپنے گود کے پالوں کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھو گے حاجیوں نے مکہ کی راہ میں مال صرف کیا ہی تم کربلا کے میدان میں اپنی جان اور عمر بھر کی کمائی لٹا دو گے حاجیوں کے لیے مکہ میں تاجروں نے بازار کھولا ہی تم فرات کے کنارے دوست کی خاطر اپنی دکانیں کھولو گے یہاں تاجر مال فروخت کرتے ہیں وہاں تم جانیں بیچو گے یہاں حاجی خرید و فروخت کو آتے ہیں تمہاری دوکان پر تمہارا دوست جلوہ فرمائیگا جو پہلے ہی ارشاد کر چکا ہے۔ إِنَّ اللهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ[1] بیشک اللہ نے مسلمانوں کی جانیں اور مال جنت کے بدلے میں مول لے لیے ہیں غرض ان کیفیتوں نے کچھ ایسا از خود رفتہ بنا دیا ہی کہ امام عالیمقام نے بقرعید کی آٹھویں تاریخ کوفے کا قصد فرمادیا جب یہ خبر مشہور ہوئی عمر بن عبد الرحمن نے اس ارادے کا خلاف کیا اور جانے سے منع آئے فرمایا جو ہونی ہے ہو کر رہیگی عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نہایت عاجزی سے روکنا چاہا اور عرض کی کچھ دنوں تامل فرمائیے اور انتظار کیجیے اگر کوفی ابن زیاد کو قتل کر دیں اور دشمنوں کو نکال باہر کریں تو جانئیے کہ نیک نیتی سے بلاتے ہیں اور اگر وہ ان پر قابض اور دشمن موجود ہیں ہرگز وہ حضور کو بھلائی کی طرف نہیں بلاتے ہیں اندیشہ کرتا ہوں کہ یہ بلانے والے ہی مقابل آئیں گے فرمایا میں استخارہ کرونگا عبد اللہ ابن عباس پھر آئے اور کہا بھائی صبر کرنا چاہتا ہوں مگر صبر

[1] القرآن الحکیم، سورۃ التوبۃ، ۱۱۱

نہیں آتا مجھے اس روانگی میں آپ کے شہید ہونے کا اندیشہ ہے عراقی بدعہد ہیں اُنھوں نے
آپ کے باپ کو شہید کیا آپ کے بھائی کا ساتھ نہ دیا آپ اہل عرب کے سردار ہیں عرب
ہی میں قیام رکھیے یا عراقیوں کو لکھیے کہ وہ ابن زیاد کو نکال دیں اگر ایسا ہو جائے تشریف
لیجائیے اور اگر تشریف ہی لیجانا ہے تو یمن کا قصد فرمائیے کہ وہاں قلعے ہیں گھاٹیاں ہیں وہ
ملک وسیع زمین رکھتا ہے فرمایا بھائی خدا کی قسم میں آپ کو ناصح مشفق جانتا ہوں مگر میں
تو ارادہ مصمم کر چکا عرض کی تو بی بیوں اور بچّوں کو تو ساتھ نہ لیجائیے یہ بھی منظور نہ ہوا عبداللہ
ابن عباس ہائے پیارے ہارے پیارے کہکر رونے لگے اسی طرح عبداللہ ابن عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے منع کیا نہ مانا اُنھوں نے پیشانی مبارک پر بوسہ دیکر کہا اے شہید
ہونے والے میں تمھیں خدا کو سونپتا ہوں یونہیں عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ
عنہما نے روکا فرمایا میں نے اپنے والد ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُنا ہے کہ ایک مینڈھے
کے سبب سے مکّے کی بے حرمتی کی جائے گی میں پسند نہیں کرتا کہ وہ مینڈھا میں ہوں جب
روانہ ہو لیے راہ میں آپ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ ابن حضرت جعفر طیار
رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا خط ملا لکھا تھا ذرا ٹھہریئے میں بھی آتا ہوں حضرت عبداللہ نے
عمرو بن سعید حاکم مکہ سے امام مظلوم کے لئے ایک خط امان اور واپس بلانیکا مانگا انھوں نے
لکھدیا اور اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کو واپس لانے کے لیے ساتھ کر دیا دونوں حاضر آئے
اور سر سے پاؤں تک گئے کہ واپس تشریف لے چلیں مقبول نہ ہوا فرمایا میں نے رسول اللہ
صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے اور مجھے ایک حکم دیا گیا ہے اُس کی
تعمیل کروں گا سر جائے خواہ رہے پوچھا وہ خواب کیا ہے فرمایا جبتک زندہ ہوں کسی سے
نہ کہوں گا یہ فرماکر روانہ ہو گئے ؎

نظم

اے حسین ابن علی سبطِ پیمبر مت جا
سب نے کی عرض کہ شہزادۂ حیدر مت جا

صدمے واں پہنچے علی اور حسن کو کیا کیا — جانا کوفہ کا تو ہرگز نہیں بہتر مت جا
حق نما آئینہ ہے رُخ ترا اندھے ہیں وہی — لیکے اندھوں میں یہ آئینہ سکندر مت جا
سنگ باراں سے بچا جامِ بلوریں اپنا — ایسے لوگوں میں جو پتھر سے ہیں بدتر مت جا
گل شاداب نبی اپنے چمن سے نہ نکل — نازنیں پھول ہے تو کانٹوں کے اندر مت جا
چلتے ہیں صرصرِ آفات کے مظلم جھونکے — شمع رو قلعۂ فانوس سے باہر مت جا
بوسعید ابن عمر جابر و ابن عباس — تھا یہی کلمہ سب اصحاب کے لب پر مت جا

بیدل اُس شاہ کو مقتل میں قضا لے ہی گئی
کہتے سب رہ گئے اے دین کے سرور مت جا

جب امام کے بھائی امام محمد بن حنفیہ کو روانگی امام کی خبر پہنچی طشت میں وضو فرمارہے تھے اس قدر روئے کہ طشت آنسوؤں سے بھر دیا امام تھوڑی دور پہنچے ہیں کہ فرزدق شاعر کوفے سے آتے ملے کوفیوں کا حال پوچھا عرض کیا اے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے جگر پارے اُن کے دل حضور کے ساتھ ہیں اور اُن کی تلواریں بنی اُمیّہ کے ساتھ قضا آسمان سے اُترتی ہے اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ غرض ادھر تو امام روانہ ہوئے اُدھر ابن زیاد بد نہاد بانی فساد کو یہ خبر پہنچی قادسیہ سے خفان و کوہ لعلع اور قطقطانہ تک فوج سے ناکہ بندیاں کرادیں اور قیامت تک مسلمانوں کے دلوں کے گھائل کرنے اور کلیجوں میں گھاؤ ڈالنے کی بنیاد ڈالدی امام مظلوم نے قیس بن مُسہّر کو اپنی تشریف آوری کی اطلاع دینے کوفے بھیجا جب یہ مرحوم قادسیہ پہنچے ابن زیاد کے سپاہی گرفتار کرکے اُس خبیث کے پاس لے گئے اُس مردود نے کہا اگر جان کی خیر چاہتے ہو تو اُس چھت پر چڑھکر حسین کو گالیاں دو۔ یہ سن کر وہ خاندان نبوت کا فدائی اہل بیت رسالت کا شیدائی چھت پر گیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد بلند آواز سے کہنے لگا حسین آج تمام جہان سے افضل ہیں رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی صاحبزادی

فاطمہ زہرا کے کلیجے کے ٹکڑے ہیں مولیٰ علی کی آنکھوں کے نور دل کے سرور ہیں اُن کا قاصد ہوں اُن کا حکم مانو اور اُن کی اطاعت کرو پھر کہا ابن زیاد اور اُس کے باپ پر لعنت۔ آخر کار اُس مردک نے جل کر حکم دیا کہ چھت سے گرا کر شہید کیے جائیں اُس وقت اس بادۂ الفت کے متوالے کا بیقرار دل امام عرش مقام کی طرف موںہ کیے التجا کے لہجے میں عرض کر رہا ہے ؎

بجرم عشق تو ام مے کشند غوغائیست[۱]
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

امام مظلوم آگے بڑھے تو راہ میں زہیر بن قین بجلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ملے وہ حج سے واپس آتے تھے اور مولیٰ علی سے کچھ کدورت رکھتے تھے دن بھر امام کے ساتھ رہتے رات کو علیحدہ ٹھہرتے ایک روز امام نے بلا بھیجا بہ کراہت آئے خدا جانے کیا فرما دیا اور کس ادا سے دل چھین لیا کہ اب جو واپس آئے تو اپنا اسباب امام کے اسباب میں رکھ دیا اور ساتھیوں سے کہا جو میرے ساتھ رہنا چاہے رہے ورنہ یہ ملاقات پچھلی ملاقات ہے پھر اپنا سامان لے آنے اور امام کے ساتھ ہو جانے کا سبب بیان کیا کہ شہر بلنجر پر ہم نے جہاد کیا وہ فتح ہوا کثیر غنیمتوں کے ملنے پر ہم بہت خوش ہوئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب تم جوانانِ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سردار کو پاؤ تو اُن کے ساتھ دشمن سے لڑنے پر اس سے زیادہ خوش ہونا اب وہ وقت آگیا میں تم سب کو سپرد بخدا کرتا ہوں پھر اپنی بی بی کو طلاق دے کر کہا گھر جاؤ میں نہیں چاہتا کہ میرے سبب سے تم کو کچھ نقصان پہنچے خدا جانے ان اچھی صورت والوں کی اداؤں میں کس قیامت کی کشش رکھی گئی ہے یہ جسے ایک نظر دیکھ لیتے ہیں وہ ہر طرف سے ٹوٹ کر انھیں کا ہو رہتا ہے پھر یاروں سے یاری رہتی ہے نہ زن و فرزند کی پاسداری آخر یہ وہی زہیر تو ہیں جو مولےٰ علی سے کدورت رکھتے اور رات کو امام سے علیحدہ ٹھہرتے تھے یہ انھیں کیا ہو گیا اور کس کی ادا نے باز رکھا جو عزیزوں کا ساتھ چھوڑ عورت کو

[۱] تیرے عشق کے جرم میں مجھے قتل کر رہے ہیں اِس لیے شور و غوغا ہے تو بھی چھت پر آکے دیکھ کہ بہت خوبصورت نظارہ ہے۔

طلاق دینے پر مجبور ہو کر بیکسی سے جان دینے اور مصیبتیں جھیل کر شہید ہونے کو آمادہ ہو گئے اب یہ قافلہ اور بڑھا تو ابن اشعث کا بھیجا ہوا آدمی ملا جو حضرت مسلم کی وصیت پر عمل کرنے کی غرض سے بھیجا گیا تھا اُس سے حضرت مسلم کی شہادت کی خبر معلوم ہونے پر بعض ساتھیوں نے امام کو قسم دی کہ یہیں سے پلٹ چلیے مسلم شہید کے عزیزوں نے کہا ہم کسی طرح نہیں پلٹ سکتے یا خون ناحق کا بدلہ لیں گے یا مسلم مرحوم سے جا ملیں گے امام نے فرمایا تمہارے بعد زندگی بیکار ہے۔ پھر جو لوگ راہ میں ساتھ ہو لیے تھے اُن سے ارشاد کیا کوفیوں نے ہمیں چھوڑ دیا اب جس کے جی میں آئے پلٹ جائے ہمیں کچھ ناگوار نہ ہو گا یہ اس غرض سے فرما دیا کہ لوگ یہ سمجھ کر ہمراہ ہوئے تھے کہ امام ایسی جگہ تشریف لیے جاتے ہیں جہاں کے لوگ داخل بیعت ہو چکے ہیں یہ سُنکر سوا اُن چند بزرگان خدا کے جو مکہ معظمہ سے ہمراہ رکاب سعادت مآب تھے سب اپنی اپنی راہ گئے پھر ایک اور عربی ملے عرض کی اب تیغ و سناں پر جانا ہے آپ کو قسم ہے واپس جائیے فرمایا جو خدا چاہتا ہے ہو کر رہتا ہے اب عالی مقام موضع شراف سے آگے بڑھے ہیں یہ دوپہر کا وقت ہے یکایک ایک صاحب نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا فرمایا کیا ہے کہا کھجور کے درخت نظر آتے ہیں قبیلۂ بنی اسد کے دو شخصوں نے کہا اس زمین میں کھجور کبھی نہ تھے فرمایا پھر کیا ہے عرض کی سوار معلوم ہوتے ہیں فرمایا میرا بھی یہی خیال ہے اچھا تو یہاں کوئی پناہ کی جگہ ہے کہ اُسے ہم اپنی پشت پر لیکر اطمینان کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کر سکیں کہا ہاں وہ ذوحسم اگر حضور اُن سے پہلے اس تک پہنچ گئے یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سوار نظر آئے اور امام سبقت فرما کر پہاڑ کے پاس ہو لیے جب وہ اور قریب آئے تو معلوم ہوا کہ حُر ہیں جو ایک ہزار سواروں پر افسر بنا کر امام کو ابن زیاد بدنہاد کے پاس لیجانے کے لیے بھیجے گئے ہیں اس ٹھیک دوپہر میں اصحاب امام کے سامنے اُترے مالک کوثر کے بیٹے نے حکم دیا کہ انھیں اور اُن کے گھوڑوں کو پانی پلاؤ۔ ہمراہیاں امام نے پانی

بلایا جب ظہر کا وقت ہوا امام نے موذن کو اذان کا حکم دیا پھر ان لوگوں سے فرمایا تمھاری طرف میرا آنا اپنی مرضی سے نہ ہوا تم نے خط اور قاصد بھیج بھیجکر بلایا اب اگر اطمینان کا اقرار کرو تو میں تمھارے شہر کو چلوں ورنہ واپس جاؤں کسی نے جواب نہ دیا اور موذن سے کہا تکبیر کہو امام نے حُر سے فرمایا اپنے ساتھیوں کو تم نماز پڑھاؤ گے کہا نہیں آپ پڑھائیں اور ہم سب مقتدی ہوں بعد نماز حُر اپنے مقام پر گئے امام نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کے بعد اُن لوگوں سے ارشاد کیا اگر تم اللہ سے ڈرو اور حق کو اُسکے اہل کے لیے پہچانو تو خدا کی رضامندی اسی میں ہے کہ ہم اہلبیت ان ظالموں کے مقابلہ میں ولی الامر ہونیکے مستحق ہیں۔ باایں ہمہ اگر تم ہمیں ناپسند کرو اور ہمارا حق نہ پہچانو اور اپنے خطوں اور قاصدونکے خلاف ہمارے بارے میں رائے رکھنا چاہو تو میں واپس جاؤں حُر نے عرض کی واللہ ہم نہیں جانتے کیسے خط اور کیسے قاصد امام نے دو خورجیاں بھرے ہوئے خط نکالکر سامنے ڈالدیے حُر نے کہا میں خط بھیجنے والوں میں نہیں مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب آپ کو پاؤں تو کوفہ ابن زیاد کے پاس پہنچاؤں فرمایا تیری موت نزدیک ہے اور یہ ارادہ دور پھر ہمراہیوں کو حکم دیا کہ واپس چلیں۔ حُر نے رُوکا فرمایا تیری ماں تجھے روئے کیا چاہتا ہے کہا سنیے خدا کی قسم آپ کے سوا تمام عرب میں کوئی اور یہ بات کہتا تو میں اُس کی ماں کو برابر سے کہتا کسے باشد مگر واللہ آپکی ماں کا نام پاک تو میں ایسے موقع پر لے ہی نہیں سکتا فرمایا آخر مطلب کیا ہے عرض کی ابن زیاد کے پاس حضور کا لے چلنا۔ فرمایا تو خدا کی قسم میں تیرے ساتھ نہ چلوں گا کہا تو خدا کی قسم آپکو نہ چھوڑوں گا جب بات بڑھی اور حُر نے دیکھا امام یوں راضی نہ ہونگے اور کسی گستاخی کی نسبت اُن کے ایمان نے اجازت نہ دی تو یہ عرض کی کہ میں دن بھر تو حضور کیساتھ سے علیحدہ ہو نہیں سکتا ہاں جب شام ہو تو آپ مجھ سے عورتوں کی ہمراہی کا عذر فرماکر علیحدہ ٹھہریے اور رات میں کسی وقت موقع پاکر تشریف لیجائیے میں ابن زیاد کو کچھ لکھ بھیجوں گا شاید اللہ تعالےٰ وہ صورت کرے کہ میں کسی بیجا معاملہ میں مبتلا ہونے کی جرات

ذکر سکوں۔ جب عذیب الہجانات پہنچے کوفے سے چار شخص آتے ملے حال پوچھا مجمع بن عبید اللہ عامری نے عرض کی شہر کے رئیسوں کو بھاری رشوتوں سے توڑ لیا گیا اور اُن کی تھیلیوں کو روپیوں اشرفیوں سے بھر دیا گیا ہے وہ تو ایک زبان حضور کے مخالف ہو گئے رہے عوام اُن کے دل حضور کی جانب جھکتے ہیں اور کل انھیں کی تلواریں حضور پر کھینچیں گی فرمایا میرے قاصد قیس کا کیا حال ہے کہا قتل کیے گئے امام بے اختیار رو پڑے اور فرمایا کوئی اپنی مَنّت پوری کر چکا اور کوئی انتظار میں ہے الٰہی ہمیں اور اُنھیں جنت میں جمع فرما طرماح بن عدی نے عرض کی آپ کے ساتھ گنتی کے آدمی ہیں اگر حُر کی جماعت ہی آپ سے لڑے تو کفایت کر سکتی ہے نہ کہ وہ جماعت جو چلنے سے ایک دن پہلے میں کوفے میں دیکھی تھی جو آپ کی طرف روانگی کے لیے تیار ہے میں نے اپنی عمر میں اتنی بڑی فوج کبھی نہ دیکھی میں حضور کو قسم دیتا ہوں کہ اگر اُن سے ایک بالشت بھر جدائی کی قدرت ہو تو اسی قدر کیجیے اور اگر وہ جگہ منظور ہو جہاں باذن اللہ تعالیٰ آرام و طمینان سے قیام فرما کر تدبیر فرمائیے تو میرے ساتھ کوہ آجار کی طرف چلیے واللہ اُس پہاڑ کے سبب سے ہم بادشاہان غسان و حمیر اور نعمٰن بن المنذر بلکہ عرب و عجم کے سب حملوں سے محفوظ رہے حضور وہاں ٹھہر کر آجاؤ سلمٰے کے رہنے والوں کو فرمائیے خدا کی قسم دس دن نہ گزریں گے کہ قوم طے کے سوار و پیادے حاضر خدمت ہوں گے پھر جبتک مرضی مبارک ہو ہم میں ٹھہریے اور اگر پیش قدمی کا قصد ہو تو بنی طے سے ۲۰ بیس ہزار جوان حضور کے ہمراہ کر دینے کا میرا ذمہ ہے جو حضور کے سامنے تلوار چلائیں گے اور جبتک اُن میں کوئی آنکھ پلک مارتی باقی رہے گی حضور تک دشمن نہ پہنچ سکیں گے ارشاد ہوا اللہ تمھیں جزائے خیر دے ہمارا اور کوفیوں کا کچھ قول ہو گیا ہے جس سے ہم پھر نہیں سکتے یہ فرما کر اُنھیں رخصت کیا۔ امام نے راہ میں ایک خواب دیکھا جاگے تو انا للہ وانا الیہ راجعون والحمد للہ رب العلمین فرماتے اُٹھے امام زین العابدین نے عرض کی ای باپ میں آپ

قربان کیا بات ملاحظہ فرمائی فرمایا خواب میں ایک سوار دیکھا کہ رہا ہے لوگ چلتے ہیں اور اُن کی قضائیں اُن کی طرف چل رہی ہیں میں سمجھا کہ ہمیں ہمارے قتل کی خبر دیجاتی ہے حضرت عابد نے کہا اللہ آپ کو کوئی بُرائی نہ دکھائے کیا ہم حق پر نہیں فرمایا ضرور ہیں عرض کی جب ہم حق پر جان دیتے اور قربان ہوتے ہیں تو کیا پرواہ ہے فرمایا اللہ تم کو اُن سب جزاؤں سے بہتر جزا دے جو کسی بیٹے کو کسی باپ کی طرف سے ملے جب نینوے پہنچے ایک سوار کوفے سے آتا ملا اُس نے حُر کو ابن زیاد کا خط دیا لکھا تھا حسین پر سختی کر جہاں اُتریں میدان میں اُتریں پانی سے دور ٹھہریں یہ قاصد برابر تیرے ساتھ رہے گا یہاں تک کہ مجھے خبر دے کہ تو نے میرے حکم کی کیا تعمیل کی حُر نے خط پڑھ کر امام سے گزارش کی کہ مجھے یہ حکم آیا ہے میں اس کے خلاف نہیں کر سکتا کہ یہ قاصد مجھ پر جاسوس بنا کر بھیجا گیا ہے زہیر بن قین نے عرض کی خدا کی قسم اس کے بعد جو کچھ آئے گا وہ اس سے سخت تر ہوگا اس گروہ کا قتال ہمیں آئندہ آنے والوں کے قتال سے آسان ہے ارشاد ہوا ہم ابتدا نہ فرمائیں گے یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ آفتاب غروب ہو گیا اور محرم کی دوسری رات کا چاند اپنی ہلکی ہلکی روشنی دکھانے لگا۔ دونوں لشکر علیحدہ علیحدہ ٹھہرے اب مشرقی کناروں سے اندھیرا بڑھتا آتا ہے اور بزم فلک کی شمعیں روشن ہوتی جاتی ہیں فضائے عالم کے سیاح اور خدا کی آزاد مخلوق پرند چہچہا چہچہا کر خاموش ہو گئے ہیں زمانے کی رفتار بتانے والی گھڑی اور عمروں کا حساب سمجھانے والی جنتری اسلامی سَن کی تقویم جسے قدرت کے زبردست ہاتھ نے عرجون قدیم کی حد تک پہنچا دیا ہے کچھ اپنی دلکش ادائیں دکھا کر روپوش ہو گئی تاریکیوں کا رنگ اب اور بھی گہرا ہو گیا ہے نگاہیں جو تقریباً دو گھنٹے پہلے دُنیا کی وسیع آبادی میں دور کی چیزوں کو باطمینان تمام دیکھتی اور پرکھ سکتی تھیں اب یہ تھوڑے فاصلہ پر بھی کام دینے میں اُلجھتی بلکہ ناکام رہجاتی ہیں اور اگر کچھ نظر بھی آجاتا ہے تو رات کی سیاہ چلمن اُسی صاف

معلوم ہونے سے روکتی ہے وقت کے زیادہ گزرنے اور بول چال کے موقوف ہوجانے نے سناٹا پیدا کر دیا ہے رات اور بھی بھیانک ہوگئی ہے شب بیدار ستاروں کی آنکھیں جھکی پڑتی ہیں سونے والے لمبیاں تانے سو رہے ہیں نیند کا جادو زمانے پر چل گیا ہے حُر کے لشکر سے نفیر خواب بلند ہوئی ہے۔ امام جنت مقام جنھوں نے اتنی رات اسی موقع کے انتظار میں جاگ کر گزاری ہے کوچ کی تیاریاں فرما رہے ہیں اسباب جو شام سے بندھا رکھا تھا بار کیا گیا اور عورتوں بچوں کو سوار کرا دیا گیا ہو اب یہ مقدس قافلہ اس اندھیری رات میں فقط اس آسرے پر روانہ ہوگیا ہے کہ رات زیادہ ہے دشمن سوتے رہیں گے اور ہم اُن سے صبح ہونے تک بہت دور نکل جائیں گے باقی رات چلتے اور سواریوں کو تیز چلاتے گزری اب تقدیر کی خوبیاں دیکھیے کہ مظلوموں کو صبح ہوتی ہے تو کہاں کربلا کے میدان میں جل جلالہ یہ محرم سنہ ۶۱ ہجری کی دوسری تاریخ اور پنجشنبہ کا دن ہی عمرو بن سعد اپنا لشکر لیکر امام کے مقابلہ پر آگیا ہے اس بدبخت کو ابن زیاد بدنہاد نے کفار دیلم کے جہاد پر مقرر کیا اور فتح کے صلے میں حکومت رے کا فرمان لکھدیا تھا امام مظلوم کی خبر پائی بدنصیب کی نیت بدی پر آئی بلا کر کہا کہ ادھر کا قصد ملتوی رکھ پہلے حسینؑ سے مقابل ہو فارغ ہوکر اُدھر جانا کہا اب مجھے معاف کر دو کہا بہتر مگر اس شرط پر کہ ہمارا نوشتہ واپس دے اس نے ایک دن کی مہلت مانگ کر احباب سے مشورہ کیا سب نے ممانعت کی اور اس کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ نے کہا اے ماموں میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ حسین سے مقابلہ کر کے گنہگار ہوگا اللہ کی قسم اگر ساری دنیا تیری سلطنت میں ہو تو اُسے چھوڑنا اس سے آسان ہے کہ تو خدا سے حسین کا قاتل ہوکر ملے کہا نہ جاؤں گا مگر ناپاک دل میں تردد رہا رات کو آواز آئی کوئی کہتا ہے۔ ؎

أَأَتْرُكُ مُلْكَ الرَّيِّ وَالرَّيُّ رَغْبَةٌ — أَمْ أَرْجِعُ مَذْمُومًا بِقَتْلِ حُسَيْنٍ
وَفِي قَتْلِهِ النَّارُ الَّتِي لَيْسَ دُونَهَا — حِجَابٌ وَمُلْكُ الرَّيِّ قُرَّةُ عَيْنٍ

کہا رَے کی حکومت چھوڑ دوں اور وہ بڑی مرغوب چیز ہے یا قتل حسین کی مذمت گوارا کروں اور اُن کے قتل میں وہ آگ ہے جس کی روک نہیں اور رَے کی سلطنت آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ آخر قتل امام مظلوم ہی پر رائے قرار پائی بے دین نے اَلدِّینُ مَزْرَعَۃُ الدُّنْیَا[1] کی ٹھہرائی فرات کے گھاٹوں پر پانسو سوار بھیجکر ساقی کوثر کے بیٹے پر پانی بند کیا ایک رات امام نے بلا بھیجا دونوں لشکروں کے بیچ میں حاضر آیا دیر تک باتیں رہیں امام نے سمجھایا کہ اہل باطل کا ساتھ چھوڑ۔ کہا میرا گھر ڈھایا جائے گا۔ فرمایا اُس سے بہتر بنوا دونگا کہا میری جائداد چھن جائے گی۔ ارشاد ہوا اُس سے اچھی عطا فرماؤں گا تین چار رات یہی باتیں رہیں جن کا اثر اس قدر ہوا کہ ابن سعد نے ایک صلح آمیز خط ابن زیاد کو لکھا کہ حسین چاہتے ہیں یا تو مجھے واپس جانے دو یا یزید کے پاس لے چلو یا کسی اسلامی سرحد پر چلا جاؤں اس میں تمھاری مراد حاصل ہے حالانکہ امام نے یزید پلید کے پاس جانے کو ہرگز نہ فرمایا تھا ابن زیاد نے خط پڑھکر کہا بہتر ہے شمر ذی الجوشن خبیث بولا کیا یہ باتیں مانے لیتا ہے خدا کی قسم اگر حسین بے تیری اطاعت کیے چلے گئے تو اُن کے لیے عزت و قوت ہو گی اور تیرے واسطے ضعف و ذلت یوں نہیں بلکہ تیرے حکم سے جائیں اگر تو سزا دے تو مالک ہے اور اگر معاف کرے تو تیرا احسان ہے میں نے سُنا ہے کہ حسین اور ابن سعد میں رات رات بھر باتیں ہوتی ہیں ابن زیاد نے کہا تیری رائے مناسب ہے تو میرا خط ابن سعد کے پاس لیجا اگر وہ مان لے تو اُس کی اطاعت کرنا ورنہ تو سردار لشکر ہے اور ابن سعد کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیجدینا پھر ابن سعد کو لکھا کہ میں نے تجھے حسین کیطرف اس لیے بھیجا تھا کہ تو اُن سے دست کش ہو یا امید دلائے اور ڈھیل دے یا ان کا سفارشی بنے دیکھ حسین سے میری فرمانبرداری کے لیے کہہ اگر مان لیں تو مطیع بنا کر یہاں بھیجدے ورنہ انھیں اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کر اگر تو ہمارا حکم مانے گا تو تجھے فرمانبرداری کا انعام ملے گا ورنہ ہمارا لشکر شمر کے لیے چھوڑ دے جب شمر نے خط لیا عبداللہ بن ابی المحل بن خرام اس کے

[1] دین دُنیا کی کھیتی ہے۔
سچ ہے ع خُدا جب عقل لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے

ساتھ ساتھ اسکی پھوپھی ام البنین بنت خرام موٗلی علی کرم اللہ وجہہ کی زوجہ اور پسران موٗلیٰ علی
حضرت عباس وعثمٰن وعبداللہ وجعفر کی والدہ تھیں اس نے ابن زیاد سے اپنے ان پھوپھی زاد
بھائیوں کے لیے امان مانگی اُس نے لکھدی وہ خط اُس نے اِن صاحبوں کے پاس بھیجا
انھوں نے فرمایا ہمیں تمھاری امان کی حاجت نہیں ابن سمیہ کی امان سے اللہ تعالیٰ کی
امان بہتر ہے جب شمر نے ابن سعد کو ابن زیاد بد نہاد کا خط دیا اُس نے کہا تیرا بُرا ہو میرا
خیال ہے کہ تو نے ابن زیاد کو میری تحریر پر عمل کرنے سے پھیر کر کام بگاڑ دیا مجھے صلح
ہوجانے کی پوری اُمید تھی حسین ہرگز تو اطاعت قبول کریں گے ہی نہیں خدا کی قسم
اُن کے باپ کا دل اُن کے پہلو میں رکھا ہوا ہے۔ شمر نے کہا اب تو کیا کرنا چاہتا ہے
بولا جو ابن زیاد نے لکھا شمر نے عباس اور اُن کے حقیقی بھائیوں کو بلا کر کہا اے بھانجو
تمھیں امان ہے وہ بولے اللہ کی لعنت تجھ پر اور تیری امان پر ماموں بنکر ہمیں امان دیتا ہے
اور رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے بیٹے کو امان نہیں۔ یہ پنجشنبہ کی شام اور
محرم سنہ ۶۱ ہجری کی نویں تاریخ ہے اس وقت سردار جوانان جنت کے مقابلہ میں جہنمی
لشکر کو جنبش دی گئی ہے اور وہ مے شہادت کا متوالا حیدری کچھار کا شیر خیمۂ اطہر کے سامنے
تیغ بکف جلوہ فرما ہے آنکھ لگ گئی ہے خواب میں اپنے جد کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو دیکھا
ہے کہ اپنے لختِ جگر کے سینہ پر دست اقدس رکھے فرما رہے ہیں اَللّٰھُمَّ اَعْطِ الْحُسَیْنَ
صَبْرًا وَّاَجْرًا۔ الٰہی حسین کو صبر و اجر عطا کر اور ارشاد ہوتا ہے کہ اب عنقریب ہم سے ملا چاہتے ہو
اور اپنا روزہ ہمارے پاس آکر افطار کیا چاہتے ہو جوشِ مسرت میں امام کی آنکھ کھل گئی
ملاحظہ فرمایا کہ دشمن حملہ آوری کا قصد کر رہے ہیں جمعہ کے خیال اور پس ماندوں کو وصیت
کرنے کی غرض سے امام نے ایک رات کی مہلت چاہی ابن سعد نے مشورہ لیا عمرو بن
حجاج زبیدی نے کہا اگر دیلم کے کافر بھی تم سے ایک رات کی مہلت مانگتے تو دینی چاہیئے
تھی غرض مہلت دیگئی یہاں یہ کارروائی ہوئی کہ سب خیمے ایک دوسرے کے

قریب کر دیے گئے طنابوں میں طنابیں ملا دیں خیموں کے پیچھے خندق کھود کر نرکل وغیرہ خشک لکڑیوں سے بھر دی اب مسلمان ان کاموں سے فارغ ہو کر امام کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور امام اپنے اہل اور ساتھیوں سے فرما رہے ہیں صبح ہمیں دشمنوں سے ملنا ہے میں نے بخوشی تمام تم سب کو اجازت دی ابھی رات باقی ہے جہاں جگہ پاؤ چلے جاؤ اور ایک ایک شخص میرے اہل بیت سے ایک ایک کو ساتھ لیجاؤ اللہ تم سبکو جزائے خیر دے دیہات و بلاد میں متفرق ہو جاؤ یہاں تک کہ اللہ بلا ٹالے دشمن جب مجھے پائیں گے تمہارا پیچھا نہ کریں گے یہ سُنکر امام کے بھائیوں صاحبزادوں بھتیجوں اور عبداللہ ابن جعفر کے بیٹوں نے عرض کی یہ ہم کس لیے کریں اس لیے کہ آپ کے بعد زندہ رہیں اللہ ہمیں وہ منحوس دن نہ دکھائے کہ آپ نہ ہوں اور ہم باقی ہوں مسلم شہید کے بھائیوں سے فرمایا گیا تمہیں مسلم ہی کا قتل ہونا کافی ہے۔ میں اجازت دیتا ہوں تم چلے جاؤ عرض کی اور ہم لوگوں سے جا کر کیا کہیں یہ کہیں کہ اپنے سردار اپنے آقا اپنے سب سے بہتر بھائی کو دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ آئے ہیں نہ اُن کے ساتھ تیر پھینکا نہ نیزہ مارا نہ تلوار چلائی اور ہمیں خبر نہیں کہ ہمارے چلے آنے کے بعد اُن پر کیا گزری خدا کی قسم ہم ہرگز ایسا نہ کریں گے بلکہ اپنی جانیں اپنے بال بچے تمہارے قدموں پر فدا کر دیں گے تمپر قربان ہو کر مر جائیں گے اللہ اُس زندگی کا بُرا کرے جو تمہارے بعد ہو ؎[1]

خوشا حالے کہ گرد دم گرد کویت رخے برخوں گریباں پارہ پارہ

مسلم بن عوسجہ اسدی نے عرض کی کیا ہم حضور کو چھوڑ کر چلے جائیں اور ابھی ہم نے حضور کا کوئی حق ادا کر کے اللہ کے سامنے معذرت کی جگہ نہ پیدا کی خدا کی قسم میں تو آپکا ساتھ نہ چھوڑوں گا یہانتک کہ اپنا نیزہ دشمنوں کے سینے میں توڑ دوں اور جب تک تلوار میرے ہاتھ میں رہے وار کیے جاؤں خدا گواہ ہے اگر میرے پاس ہتھیار بھی نہ ہوتے

[1] وہ سماں بہت اچھا ہوگا جب مَیں تیرے کُوچے کے ارد گرد پھروں گا اِس حالت میں کہ میرا چہرہ خُون آلودہ اور گریبان ٹکڑے ٹکڑے ہوگا۔

تو میں پتھر مارتا یہاں تک کہ آپ کے ساتھ مارا جاتا اسی طرح اور سب ساتھیوں نے بھی گزارش کی اللہ عزوجل ان سب کو جزائے خیر دے اور جنات الفردوس میں امام علیہ السلام کا ساتھ اور ان کے جد کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا سایہ عطا فرمائے اور دنیا و آخرت قبر و حشر میں ہمیں ان کے برکات سے بہرہ مندی بخشے آمین آمین یا ارحم الراحمین۔

اسی رات میں امام نے کچھ ایسے شعر پڑھے جن کا مضمون حسرت و بیکسی کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھینچدے زمانہ صبح و شام خدا جانے کتنے دوستوں اور عزیزوں کو قتل کرتا ہی اور جسے قتل کرنا چاہتا ہے اس کے بدلے میں دوسرے پر راضی نہیں ہوتا ہونیوالے واقعے کی خبر دینے والی دلخراش آواز حضرت زینب کے کان میں پہنچی صبر نہ ہو سکا بیتاب ہو کر چلاتی ہوئی دوڑیں۔ کاش اس دن سے پہلے مجھے موت آگئی ہوتی۔

آج میری ماں فاطمہ کا انتقال ہوتا ہے آج میرے باپ علی دنیا سے گزرتے ہیں آج میرے بھائی حسن کا جنازہ نکلتا ہے۔ اے حسین اے گزرے ہوؤں کی نشانی اور پس ماندوں کی جائے پناہ پھر غش کھا کر گر پڑیں اللہ اکبر آج مالک کوثر کے گھر میں اتنا پانی بھی نہیں کہ بیہوش بہن کے مونھ پر چھڑکا جائے جب ہوش آیا تو فرمایا اے بہن اللہ سے ڈرو

اور صبر کرو جان لو سب زمین والوں کو مرنا اور سب
آسمان والوں کو گزرنا ہے اللہ کے سوا سب
کو فنا ہے میرے باپ میری ماں
میرے بھائی مجھ سے بہتر تھے ہر
مسلمان کو رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی راہ چلنی چاہیئے

اَب قیامت قائم ہوتی ہے

بہاروں پر ہیں آج آرائشیں گلزار جنت کی
کھلے ہیں گل بہاروں پر ہے پھلواری جراحت کی
گلا کٹوا کے بیڑی کاٹنے آئے ہیں امت کی
شہید ناز کی تفریح زخموں سے نہ کیوں کر ہو
کرم والوں نے در کھولا تو رحمت کا سماں باندھا
علی کے پیارے خاتونِ قیامت کے جگر پارے
زمینِ کربلا پر آج مجمع ہے حسینوں کا
یہ وہ شمعیں نہیں جو پھونک دیں اپنے فدائی کو
یہ وہ شمعیں ہیں جن سے جان تازہ پائیں پروانے
یہ وہ شمعیں نہیں جن سے فقط اک گھر منور ہو
دل حور و ملائک رہ گیا حیرت زدہ ہو کر
جدا ہوتی ہیں جانیں جسم سے جاناں سے ملتے ہیں
اسی منظر پہ ہر جانب سے لاکھوں کی نگاہیں ہیں
ہوا چھڑکاؤ پانی کی جگہ اشکِ یتیماں سے
ہوائے بار نے پنکھے بنائے پر فرشتوں کے
ادھر افلاک سے لائے فرشتے ہار رحمت کے
سجے ہیں زخم کے پھولوں سے وہ رنگین گلدستے
ہوائیں گلشن فردوس سے بس بس کر آئی ہیں
دلِ پُر سوز کے سلگے اگر سوز ایسی کثرت سے

سواری آنے والی ہے شہیدانِ محبت کی
فضا ہر زخم کے دامن سے وابستہ ہے جنت کی
کوئی تقدیر تو دیکھے اسیرانِ مصیبت کی
ہوائیں آتی ہیں ان کھڑکیوں سے باغِ جنت کی
کمر باندھی تو قسمت کھول دی فصلِ شہادت کی
زمیں سے آسماں تک دھوم ہے ان کی سیادت کی
جمی ہے انجمن روشن ہیں شمعیں نور و طلعت کی
یہ وہ شمعیں نہیں رو کر جو کاٹیں رات آفت کی
یہ وہ شمعیں ہیں جو ہنس کر گزاریں شب مصیبت کی
یہ وہ شمعیں ہیں جن سے روح ہو کافور ظلمت کی
کہ بزمِ گلرخاں میں لے بلائیں کس کی صورت کی
ہوئی ہے کربلا میں گرم مجلس وصل و فرقت کی
اسی عالم کو آنکھیں تک رہی ہیں ساری خلقت کی
بجائے فرش آنکھیں بچھ گئیں اہلِ بصیرت کی
سبیلیں رکھی ہیں دیدار نے خود اپنے شربت کی
ادھر ساغر لیے حوریں چلی آتی ہیں جنت کی
بہارِ خوشنمائی پر ہے صدقے روح جنت کی
نرالے عطر میں ڈوبی ہوئی ہے روح نکہت کی
کہ پہنچی عرش و طیبہ تک لپٹ سوزِ محبت کی

ادھر چلمن اُٹھی حسنِ ازل کے پاک جلووں سے
ادھر چمکی تجلی بدرِ تابانِ رسالت کی

زمینِ کربلا پر آج ایسا حشر برپا ہے
کہ کھنچ کھنچ کر مٹی جاتی ہیں تصویریں قیامت کی

گھٹائیں مصطفےٰ کے چاند پر گھر گھر کر آئی ہیں
سیہ کارانِ امت تیرہ بختانِ شقاوت کی

یہ کس کے خون کے پیاسے ہیں اُس کے خون کے پیاسے
بجھے گی پیاس جس سے تشنہ کامانِ قیامت کی

اکیلے پر ہزاروں کے ہزاروں وار چلتے ہیں
مٹادی دین کے ہمراہ عزت شرم و غیرت کی

مگر شیرِ خدا کا شیر جب بپھرا غضب آیا
پرے ٹوٹے نظر آنے لگی صورت ہزیمت کی

کہا یہ بوسہ دے کر ہاتھ پر جوشِ دلیری نے
بہادر آج سے کھائیں گی قسمیں اس شجاعت کی

تصدق ہو گئی جانِ شجاعت سچے تیور کے
فدا شیرانہ حملوں کی ادا پر روح جرأت کی

نہ ہوتے گر حسین ابنِ علی اس پیاس کے بھوکے
ق
نکل آتی زمینِ کربلا سے نہر جنت کی

مگر مقصود تھا پیاسا گلا ہی اُن کو کٹوانا
کہ خواہش پیاس سے بڑھتی رہی روئیت کے شربت کی

شہیدِ ناز رکھ دیتا ہے گردن آبِ خنجر پر
جو موجیں باڑھ پر آجاتی ہیں دریائے الفت کی

یہ وقتِ زخم نکلا خون اچھل کر جسمِ اطہر سے
کہ روشن ہو گئی مشعل شبستانِ محبت کی

سرِ بے تن تنِ آسانی کو شہرِ طیبہ میں پہنچا
تنِ بے سر کو سرداری ملی ملکِ شہادت کی

حسنؔ سُنّی ہے پھر افراط و تفریط اس سے کیونکر ہو
ادب کے ساتھ رہتی ہے روش اربابِ سنت کی

روزِ عاشورا کی صبح جانگزا آتی اور جمعے کی سحر محشر زا مونھ دکھاتی ہے امام عرش مقام خیمۂ اطہر سے برآمد ہو کر اپنے بہتر[۷۲] ساتھیوں بتیس[۳۲] سواروں چالیس[۴۰] پیادوں کا لشکر ترتیب دے رہے ہیں دہنے بازو پر زہیر بن قین بائیں پر حبیب بن مظہر سردار بنائے گئے اور نشان برداری پر حضرت عباس مقرر فرمائے گئے ہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ خندق کی لکڑیوں میں آگ دیدی جائے کہ دشمن اُدھر سے راہ نہ پائیں اس انتظام کے بعد امام جنت مقام تہیۂ شہادت کے واسطے پانی لینے تشریف لے گئے عبدالرحمن

بن عبد ربہ یزید بن حصین ہمدانی خیمے کے دروازے پر منتظر ہیں کہ بعد فراغ امام خود بھی یہ سنت ادا کریں ابن حصین نے عبدالرحمن سے کچھ ہنسی کی بات کہی وہ بولے یہ ہنسی کا کیا موقع ہے کہا خدا گواہ ہے میری قوم بھر کو معلوم ہے کہ جوانی میں بھی کبھی میری ہنسی کی عادت نہ تھی اس وقت میں اُس چیز کے سبب سے خوش ہو رہا ہوں جو ابھی ملا چاہتی ہے۔ تم اُس لشکر کو دیکھتے ہو جو ہمارے مقابلہ کے لیے تلا کھڑا ہے خدا کی قسم ہم میں اور حوروں کی ملاقات میں اتنی ہی دیر باقی ہے کہ یہ تلواریں لیکر ہم پر جھک پڑے۔ امام جنت مقام باہر تشریف لائے اور ناقہ پر سوار ہو کر اتمام حجت کے لیے اشقیا کی طرف تشریف لے گئے قریب پہنچکر فرمایا لوگو میری بات سنو اور جلدی نہ کرو اگر تم انصاف کرو تو سعادت پاؤ ورنہ اپنے ساتھیوں کو جمع کرو اور جو کرنا ہو کر گزرو میں مہلت نہیں چاہتا میرا اللہ جس نے قرآن اُتارا اور جو نیکوں کو دوست رکھتا ہے میرا کارساز ہے امام کی یہ آواز اُن کی بہنوں کے کان تک پہنچی بے اختیار ہو کر رونے لگیں امام نے حضرت عباس اور امام زین العابدین کو خاموش کرنے کے لیے بھیجکر فرمایا خدا کی قسم اُنھیں بہت رونا ہے پھر اشقیا کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے ذرا میرا نسب تو بیان کرو اور سوچو تو میں کون ہوں اپنے گریبان میں مونھ ڈالو کیا میرا قتل تمھیں روا ہو سکتا ہے میری بے حرمتی تم کو حلال ہو سکتی ہے کیا میں تمھارے نبی کا نواسا نہیں کیا تم نے نہ سُنا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اور میرے بھائی کو فرمایا تم دونوں جوانان اہل جنت کے سردار ہو کیا اتنی بات تمھیں میری خونریزی سے روکنے کو کافی نہیں۔ شمر مردک نے کہا ہم نہیں جانتے تم کیا کہہ رہے ہو حبیب بن مظہر نے فرمایا اللہ عزوجل نے تیرے دل پر مہر کر دی تو کچھ نہیں جانتا پھر امام مظلوم نے فرمایا خدا کی قسم میرے سوا روئے زمین پر کسی نبی کا کوئی نواسا باقی نہیں بتاؤ تو میں نے تمھارا کوئی آدمی مارا یا مال لوٹا یا کسی کو زخمی کیا آخر مجھ سے کس بات کا بدلہ چاہتے ہو

کوئی جوابدہ ہنوا تو نام لیکر فرمایا اے شیث بن ربعی اے حجاز بن الجبر اے قیس بن اشعث
اے زید بن الحارث کیا تم نے مجھے خطوط نہ لکھے وہ خبیث صاف مُکر گئے فرمایا ضرور لکھے
پھر ارشاد ہوا اے لوگو اگر تم مجھے ناپسند رکھتے ہو تو واپس جانے دو اس پر بھی کوئی راضی
نہ ہوا پھر فرمایا میں اپنے اور تمھارے رب کی پناہ مانگتا ہوں اس امر سے کہ مجھے سنگسار
کرو اور پناہ مانگتا ہوں اُس مغرور سے جو قیامت کے دن پر ایمان نہ لائے یہ فرما کر
ناقۂ شریف سے اُتر آئے زہیر بن قین ہتھیار لگائے گھوڑے پر سوار آگے بڑھے اور
کہنے لگے اے اہل کوفہ عذاب الٰہی جلد آتا ہے مسلمان کا مسلمان پر حق ہے کہ نصیحت کرے
ہم تم ابھی دینی بھائی ہیں جب تلوار اُٹھے گی تم الگ گروہ ہو گے ہم الگ ہمیں تمھیں
اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد کے بارے میں آزمایا ہے کہ ہم تم اُن کے
ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں میں تمھیں امام حسین کی مدد کیلیے بلاتا اور سرکش ابن زیاد
کی اطاعت سے روکنا چاہتا ہوں تم اُس سے ظلم وستم کے سوا کچھ نہ دیکھو گے کوفیوں نے
کہا جبتک تمھیں اور تمھارے سردار کو قتل نہ کرلیں یا مطیع بنا کر ابن زیاد کے پاس نہ بھیجدیں
ہم یہاں سے نہ ٹلیں گے زہیر نے فرمایا خدا کی قسم فاطمہ کے بیٹے سمیّہ کے بیٹے سے زیادہ مستحق
محبت ونصرت ہیں اگر تم اُن کی مدد نہ کرو تو اُن کے قتل کے بھی درپے نہ ہو اس پر شمر مردود
نے ایک تیر مار کر کہا چپ بہت دیر سے تو نے ہمارا سر کھایا ہے زہیر نے فرمایا او ایڑیوں
پر موتنے والے گنوار کے بچے میں تجھ سے بات نہیں کرتا تو نرا جانور ہے میرے خیال میں
تجھے قرآن کی دو آیتیں بھی نہیں آتیں تجھے قیامت کے دن دردناک عذاب اور رسوائی
کا مژدہ ہو شمر بولا کوئی گھڑی جاتی کہ تو اور تیرا سردار قتل کیا جاتا ہے فرمایا کیا مجھے
موت سے ڈراتا ہے۔ خدا کی قسم اُن کے قدموں پر مرنا تم لوگوں کے ساتھ ہمیشہ جینے
سے پسند ہے پھر بلند آواز سے کہنے لگے اے لوگو تم کو یہ بے ادب اُجڈ فریب دیتا
اور دین حق سے بے خبر کرنا چاہتا ہے جو لوگ اہل بیت یا اُنکے ساتھیوں کو قتل کریں گے

خدا کی قسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت انھیں نہ پہنچے گی امام عالی مقام نے واپس بلا یا۔ اب شقی ابن سعد نے اپنے ناپاک لشکر کو امام مظلوم کی طرف حرکت دی حُر نے کہا تجھے اللہ کی مار کیا تو اُن سے لڑے گا کہا لڑوں گا اور ایسی لڑائی لڑوں گا جس کا ادنیٰ درجہ سروں کا اُڑنا اور ہاتھوں کا گرنا ہے کہا وہ تین باتیں جو انھوں نے پیش کی تھیں تجھے منظور نہیں کہا میرا اختیار ہوتا تو مان لیتا حُر مجبورانہ لشکر کے ساتھ امام کی طرف بڑھے مگر یوں کہ بدن کانپ رہا ہے اور پہلو میں دل کے پھڑکنے کی آواز بغل والے سُن رہے ہیں یہ حالت دیکھکر اُنکے ایک ہم قوم نے کہا تمھارا یہ کام شبہ میں ڈالتا ہے میں نے کسی لڑائی میں تمھاری یہ کیفیت نہ دیکھی مجھ سے اگر کوئی پوچھتا ہے کہ تمام اہل کوفہ میں بہادر کون ہے؟ تو میں تمھارا ہی نام لیتا ہوں بولے میں سوچتا ہوں کہ ایک طرف جنت کے خوش رنگ پھول کھلے ہیں اور ایک جانب جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ اور میں اگر پُرزے پُرزے کرکے جلا دیا جاؤں تو جنت چھوڑنا گوارا نہ کروں گا یہ کہکر گھوڑے کو ایڑ دی اور امام عالیمقام کی خدمت میں حاضر ہوگئے پھر عرض کی اللہ مجھے حضور پر قربان کرے میں حضور کا وہی ساتھی ہوں جس نے حضور کو واپس جانے سے روکا جس نے حضور کو حراست میں لیا خدا کی قسم مجھے یہ گمان نہ تھا کہ یہ بدبخت لوگ حضور کا ارشاد قبول نہ کرینگے اور یہاں تک نوبت پہنچائیں گے میں اپنے جی میں کہتا تھا خیر بعض باتیں اُنکی کہی کرلوں کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ہماری اطاعت سے نکل گیا اور انجام کار تو وہ حضور کا ارشاد کچھ نہ کچھ مان ہی لیں گے اور خدا کی قسم مجھے یہ گمان ہو کہ یہ کچھ نہ مانیں گے تو مجھ سے اتنا بھی ہرگز واقع نہ ہو۔ اب میں تائب ہو کر حاضر آیا ہوں اور اپنی جان حضور پر قربان کرنی چاہتا ہوں کیا میری توبہ حضور کے نزدیک مقبول ہو جائے گی فرمایا ہاں اللہ عزوجل توبہ قبول کرنے والا اور گناہ بخش دینے والا ہے۔ حُر یہ مژدہ سُنکر اپنی قوم کی طرف پلٹے اور فرمانے لگے کیا وہ باتیں جو امام نے پیش کی تھیں منظور نہیں۔ ابن سعد نے کہا اُن کا ماننا میری قدرت

سے باہر ہے فرمایا اے کوفیو تمھاری مائیں بے اولادی ہوں تمھاری ماؤں کو تمھارا رونا نصیب ہو کیا تم نے امام کو دشمنوں کے ہاتھ میں دینے کے لئے بلایا تھا کیا تم نے وعدہ نہ کیا تھا کہ اپنی جانیں اُن پر نثار کروگے اور اب تمھیں اُن کے قتل پر آمادہ ہو یہ بھی منظور نہیں کر وہ اللہ کے کسی شہر میں چلے جائیں جہاں وہ اُن کے بال بچے امان پائیں تم نے اُنھیں قیدی بے دست وپا بنا رکھا ہے فرات کا بہتا پانی جسے خدا کے دشمن پی رہے ہیں اور گاؤں کے کتے سوئر جس میں لوٹ رہے ہیں۔ حسین اور اُن کے بچوں پر بند کیا گیا ہے پیاس کی تکلیف نے اُنھیں زمین سے لگا دیا ہے تم نے کیا بُرا معاملہ کیا ذریت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔ اگر تم توبہ نہ کرو اور اپنی حرکتوں سے باز نہ آؤ تو اللہ تمھیں قیامت کے دن پیاسا رکھے۔ اس کے جواب میں اُن خبیثوں نے حضرت حُر پر تیر پھینکنے شروع کیے یہ واپس ہو کر امام کے آگے کھڑے ہو گئے لشکر اشقیا سے زیادہ کا غلام یسار اور ابن زیاد کا غلام سالم میدان میں آئے اور اپنے مقابلہ کے لیے مبارز طلب کرنے لگے حضرت عبداللہ بن عمیر کلبی سامنے آئے دونوں بولے ہم تمھیں نہیں جانتے زہیر بن قین یا حبیب بن مظہر یا بریر بن حضیر کو ہمارے مقابلہ کے لیے بھیجو حضرت عبداللہ نے یسار سے فرمایا او بدکار عورت کے بچے تو مجھ سے نہ لڑے گا تیری لڑائی کے لیے بڑے بڑے چاہئیں یہ فرما کر ایک ہاتھ مارا وہ قتل ہوا سالم نے آپ پر وار کیا بائیں ہاتھ سے روکا انگلیاں اڑ گئیں دہنے سے وار کیا وہ بھی مارا گیا یہ عبداللہ کوفے سے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اُن کی بی بی ام وہب ان کیساتھ تھیں وہ خیمے کی چوب لیکر جہاد کے لیے چلیں اور اپنے شوہر سے کہا میرے ماں باپ تیرے قربان قتال کر اُن ستھرے پاکیزہ نبی زادوں کے لئے کہا تم عورتوں میں جاؤ۔ نہ مانا اور کہا تمھارے ساتھ مرونگی آخر حضرت امام نے آواز دی کہ اے بی بی اللہ تجھپر رحمت کرے پلٹ آ کہ جہاد عورتوں پر فرض نہیں۔ واپس آئیں۔ پھر ابن سعد کے میمنہ سے عمرو بن الحجاج

اپنے سوار لیکر آگے بڑھا امام کے ساتھیوں نے گھٹنوں کے بل جھک کر نیزے سامنے کیے گھوڑے نیزوں کی سنانوں پر نہ بڑھ سکے پیچھے پلٹے تو اُدھر سے تیر چلائے گئے وہ کتنے ہی زخمی ہوئے کتنے ہی مارے گئے۔ ایک مردک ابن حوزہ نے پوچھا کیا تم میں حسین ہیں کسی نے جواب نہ دیا تین بار پوچھا لوگوں نے کہا تیرا کیا کام ہے۔ بولا اے حسین تمھیں آگ کی بشارت ہو[1] فرمایا تو جھوٹا ہے۔ میں اپنے مہربان رب کے پاس جاؤنگا پھر اُس کا نام پوچھا کہا ابن حوزہ دعا فرمائی اللّٰھُمَّ حُزْہُ اِلَی النَّارِ الٰہی اسے آگ کی طرف سمیٹ یہ سنکر وہ مردود غضبناک ہوا حضور کی طرف گھوڑا چمکایا قدرت خدا کہ گھوڑا ابھرکا اور یہ پھسلا ایک پاؤں رکاب میں اُلجھکر رہ گیا اب گھوڑا اڑا اچلا جاتا ہے یہاں تک کہ اُس مردود کی ران اور پنڈلی ٹوٹی سر پتھروں سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا آخر اسی حال میں واصل جہنم ہوا مشروق بن وائل حضرمی امام مظلوم کے سرمبارک لینے کی تمنا میں آیا تھا ابن حوزہ کا یہ حال دیکھکر کہنے لگا خدا کی قسم میں تو اہلبیت سے کبھی نہ لڑوں گا پھر یزید بن معقل حضرت بریر[2] سے کہنے لگا خدا نے تمھارے ساتھ کیا کیا فرمایا اچھا کیا۔ کہا تم نے جھوٹ کہا اور میں تم کو آج سے پہلے جھوٹا نہ جانتا تھا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم گمراہ ہو فرمایا تو آؤ ہم تم مباہلہ کرلیں کہ اللہ جھوٹے پر لعنت کرے اور جھوٹا سچے کے ہاتھ سے قتل ہو وہ راضی ہوگیا مباہلہ کے بعد ابن معقل نے تلوار چھوڑی خالی گئی حضرت بریر[2] نے وار کیا خود کاٹتا ہوا بھیجا چاٹ گیا یہ دیکھکر رضی بن منقذ عبدی دوڑا اور حضرت بریر[2] سے لپٹ گیا کشتی ہونے لگی حضرت بریر[2] نے دے مارا اور اُس کے سینے پر چڑھ بیٹھے پیچھے سے کعب بن جابر ازدی نے نیزہ مارا کہ پشت مبارک میں غائب ہوگیا نیزہ کھاکر رضی کے سینے سے اُترے اور اُس مردک کی ناک دانتوں سے کاٹ لی کعب نے تلوار ماری کہ شہید ہوئے جب کعب پلٹا اُس کی عورت نے کہا میں تجھ سے کبھی بات نہ کروں گی تو نے فاطمہ کے بیٹے کے ہوتے دشمن کو مدد دی اور

[1] مخالفینِ حسینؓ کے تعصب اور جہالت کی انتہا ہے جو قتلِ حسینؓ کو نیکی تصور کیے ہوئے تھے۔

[2] بریر بن حضیر

عالموں کے سردار بریر کو شہید کیا پھر امام کی جانب سے عمر بن قرظہ انصاری نکلے اور
سخت لڑائی کے بعد شہید ہوئے حضرت حُر نے قتال شدید کیا یزید بن سفیان ان کے
سامنے آیا انھوں نے اُسے قتل فرمایا نافع بن ہلال مرادی میدان میں آئے مزاحم
بن حریث ان کا مزاحم ہوا مرادی با مراد نے اُس نامرد نامراد کو قتل کیا یہ حالت دیکھکر
عمرو بن الحجاج چلایا اے لوگو تم جانتے ہو کن سے لڑ رہے ہو تمھارے سامنے وہ بہادر ہیں
جنھیں مرنیکا شوق ہے ایک ایک اُن سے میدان نہ کرو وہ بہت کم ہیں خدا کی قسم تم سب ملکر
پتھر مارو گے تو قتل کرلو گے ابن سعد نے یہ رائے پسند کرکے لوگوں کو تنہا میدان کرنے سے
روکدیا پھر عمرو بن الحجاج نے فرات کی طرف سے حملہ کیا اس حملہ میں مسلم بن عوسجہ اسدی
نے شہادت پائی عمر پلٹ گیا اُن میں ابھی رمق باقی تھی حبیب بن مظہر نے کہا تمھیں جنت
کا مژدہ ہو تمھارا اگر نا مجھپر سخت شاق ہوا میں ابھی عنقریب تم سے ملا چاہتا ہوں مجھے کوئی
وصیت کرو کہ اُس پر عمل کروں۔ مسلم نے حضرت امام کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ان پر
قربان ہو جانا حبیب نے کہا ایسا ہی ہوگا پھر خبیث ابن سعد نے پانسو تیر انداز ابن نمیر کے
ساتھ جماعت امام پر بھیجے اب تین دن کے پیاسوں پر تیروں کا مینھ برسنا شروع ہو گیا
امام کے ساتھی گھوڑوں سے اُتر کر پیادہ ہولیے اور یہ پیادہ ہونا اس مصلحت سے تھا کہ
اس ناگہانی بلا سے کہ ایک ساتھ پانسو تیر چلّوں سے نکل رہا ہے گھبرا کر پاؤں نہ اُکھڑ
جائیں۔ مارنا مرنا جو کچھ ہونا ہے یہیں ہو جائے امام کو چھوڑ کر بھاگنے اور پیٹھ دکھانے کی
راہ نہ رہے۔ حضرت حُر سخت لڑائی لڑے یہاں تک کہ دوپہر ہو گیا اُن پانسو نے انکے
تیس ساتھیوں پر کچھ قدرت نہ پائی جب شقی ابن سعد نے یہ حال دیکھا کہ سامنے سے
جانے کی طاقت نہیں اُس میدان کے دہنے بائیں کچھ مکان واقع تھے اُن میں
لوگ بھیجے کہ جماعت امام پر دہنے بائیں سے بھی حملہ ہو سکے امام مظلوم کے
تین چار ساتھی پہلے سے بیٹھ رہے جو کو دا مار لیا ابن سعد نے جل کر کہا کہ مکانات میں

آگ لگادی جائے امام نے فرمایا جلالینے دو جب آگ لگ جائے گی تو اُدھر سے حملے کا اندیشہ نہ رہے گا شمر مردود حملہ کرکے خیمہ اطہر کے قریب پہنچا اور جنت والوں کا خیمہ پھونکنے کو جہنمی نے آگ مانگی اُس کے ساتھی حمید بن مسلم نے کہا کہ خیمے کو آگ دیکر عورتوں بچوں کو قتل کرنا ہرگز مناسب نہیں اُس دوزخی نے نہ مانا شیث بن ربعی کوفی نے کہ اُس ناپاک لشکر کے سرداروں میں تھا اُس ناری کو آگ لگانے سے باز رکھا اس عرصے میں حضرت زہیر بن قین دسؓ صاحبوں کے ساتھ شمر مردود کے لشکر پر ایسی سختی سے حملہ آور ہوئے کہ اُن بدبختوں کو بھاگتے اور پیٹھ دکھاتے ہی بن پڑی اس حملے میں ابوعزہ مارا گیا دشمنوں نے جمع ہوکر ان گیارہ پر پھر ہجوم کیا اُن میں سے جتنے مارے جاتے کثرت کی وجہ سے معلوم بھی نہوتے اور ان میں کا ایک بھی شہید ہوتا تو سب پر ظاہر ہو جاتا اسی عرصہ میں نماز ظہر کا وقت آگیا حضرت ابوشامہ صمائدی نے امام سے عرض کی میری جان حضور پر قربان میں دیکھتا ہوں کہ اب دشمن پاس آگئے خدا کی قسم جبتک میں اپنی جان حضور پر نثار نہ کرلوں حضور شہید نہ ہونگے مگر آرزو یہ ہے کہ ظہر پڑھکر اللہ تعالیٰ سے ملوں امام نے فرمایا ہاں یہ اول وقت ہے ان سے کہو اس قدر مہلت دیں کہ ہم نماز پڑھ لیں امام کی کرامت کہ یہ بات اُن بے دینوں نے قبول کرلی ابن نمیر مردک نے کہا یہ نماز قبول نہ ہوگی حضرت حبیب بن مظہر نے فرمایا آل رسول کی نماز قبول نہ ہوگی اور اے گدھے تیری قبول ہوگی اُس نے اُن پر وار کیا انھوں نے خالی دے کر تلوار ماری گھوڑے پر پڑی گھوڑا گرا اور اُس کے ساتھ وہ مردود بھی زمین پر آیا اس کے ہمراہی جلدی کرکے اُسے اُٹھا لے گئے پھر اُنھوں نے قتال شدید کیا بنی تمیم سے بدیل بن صریم کو قتل فرمایا دوسرے تمیمی نے ان کے نیزا مارا اُٹھنا چاہتے تھے کہ ابن نمیر خبیث نے تلوار چھوڑ دی شہید ہو گئے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کی شہادت کا امام کو سخت صدمہ ہوا اب حضرت حر اور زہیر بن قین نے یہ

شروع کیا کہ ایک اُن خبیثوں پر حملہ فرماتے جب وہ اُس ہڑبونگ میں گھر جاتے دوسرے
اُبھر کر چھپالاتے جب یہ گھر کر غائب ہو جاتے وہ پہلے حملہ کرتے اور بچالاتے دیر تک
یہی حالت رہی پھر پیادوں کا لشکر حضرت حُر پر ٹوٹ پڑا اور انہیں شہید کیا روضۃ الشہداء
میں ہے جب حُر زخمی ہو کر گرے امام کو آواز دی حضرت بے قرار ہو کر تشریف لے گئے
اور سخت جنگ فرما کر اُٹھا لائے زمین پر لٹا دیا اور اُن کا سر اپنے زانو پر رکھکر پیشانی اور
رخساروں کی گرد دامن سے پوچھنے لگے حُر نے آنکھ کھول دی اور اپنا سر امام کے زانو
پر پاکر مسکرائے اور عرض کی۔ حضور اب تو مجھ سے خوش ہوئے فرمایا ہم راضی ہیں
اللہ بھی تم سے راضی ہو حُر نے یہ مژدۂ جانفزا سُنکر امام پر نقد جاں نثار کیا اور
بہشت بریں کی راہ لی ؎

آرزو یہ ہے کہ نکلے دم تمہارے سامنے تم ہمارے سامنے ہو ہم تمہارے سامنے
صلائے قصہ خواں فرقت کی شب ہے یہ کہانی ہے ترے زانو ہی کے تکیے پہ مجھکو نیند آنی ہے

حُر کی شہادت کے بعد سخت لڑائی شروع ہوئی دشمن کٹتے جاتے اور آگے بڑھتے
جاتے کثرت کی وجہ سے کچھ خیال میں نہ لاتے یہاں تک کہ امام کے قریب پہنچ گئے اور
تشنہ کاموں پر تیروں کا مینھ برسانا شروع کر دیا یہ حالت دیکھکر حضرت حنفی[۱] نے امام کو اپنی
پیٹھ کے پیچھے لے لیا اور اپنے چہرے اور سینے کو امام کی سپر بنا کر کھڑے ہو گئے دشمن
کی طرف سے تیر پر تیر آرہے ہیں اور یہ کامل اطمینان اور پوری خوشی کیساتھ زخم پر زخم کھا رہے ہیں
اس وقت اس شراب محبت کے متوالے نے اپنے معشوق اپنے دلربا حسین کو پیٹھ کے
پیچھے لیکر جنگ اُحد کا سماں یاد دلایا ہے وہاں بھی ایک عاشق جانباز مسلمانوں کی لڑائی
بگڑ جانے پر سید المحبوبین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے سامنے دشمنوں کے حملوں کی
سپر بنکر آکھڑا ہوا تھا۔ یہ حضرت سعد بن ابی وقاص تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور پُر نور انھیں
کے پیچھے قیام فرما تھے اور دشمنوں کے دفع کرنیکو ترکش سے تیر عطا فرماتے جاتے اور ہر تیر پہ

[۱] سعید بن عبد اللہ حنفی

ارشاد ہوتا اِرْمِ سَعْدُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ تیر مارا اے سعد تجھ پر میرے ماں باپ قربان اللہ
کی شان جنگ احد میں حضرت سعد کی جاں نثاری کی وہ کیفیت کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ
علیہ وسلم کی سپر بن گئے اور دشمنوں کو قریب نہ آنے دیا اور واقعۂ کربلا میں ابن سعد کی
زیاں کاری کی یہ حالت کہ دشمنوں کو رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے بیٹے کے
مقابلہ پر لایا ہے بزرگوار باپ کے تیر اسلام کے دشمنوں پر چل رہے تھے ناہنجار
بیٹے کے تیر مسلمانوں کے سردار پر چھوٹ رہے ہیں ع
ببیں[1] تفاوت رہ از کجاست تا بکجا
غرض حضرت حنفی نے امام کے سامنے یہاں تک تیر کھائے کہ شہید ہو کر گر پڑے رحمۃ اللہ
علیہ حضرت زہیر بن قین نے اس طوفان بے تمیزی کے روکنے میں جان توڑ کوشش کی
اور سخت لڑائی لڑکر شہید ہو گئے حضرت نافع بن ہلال نے تیروں پر اپنا نام کندہ کرا کر
زہر میں بجھایا تھا اُن سے بارہ شقی قتل کیے اور بے شمار زخمی کر ڈالے دشمن اُن پر
بھی ہجوم کر آئے دونوں بازوؤں کے ٹوٹ جانے کے سبب سے مجبور ہو کر گرفتار
ہو گئے شمر خبیث الخبیث ابن سعد کے پاس لے گیا ہلال کے چاند کا چہرہ خون سے بھرا تھا اور
وہ بپھرا ہوا شیر کہہ رہا تھا میں نے تم میں کے ۱۲ گرائے اور بے گنتی گھائل کیے اگر میرے ہاتھ
نہ ٹوٹتے تو میں گرفتار نہ ہوتا شمر نے ان کے قتل پر تلوار کھینچی فرمایا تو مسلمان ہوتا تو خدا
کی قسم ہمارا خون کر کے خدا سے ملنا پسند نہ کرتا اُس خدا کے لئے تعریف ہی جس نے
ہماری موت بدتران خلق کے ہاتھ پر رکھی شمر نے شہید کر دیا پھر باقی مسلمانوں پر حملہ آور
ہوا امام کے ساتھیوں نے دیکھا کہ اب اُن میں امام کی حفاظت کرنے کی طاقت
نہ رہی شہید ہونے میں جلدی کرنے لگے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے جیتے جی امام
عرش مقام کو کوئی صدمہ پہنچے حضرت عبد اللہ و عبد الرحمٰن پسران عروہ
غفاری اجازت لیکر بڑھے اور لڑائی میں مشغول ہو کر شہید ہو گئے سیف بن حارث

[1] دیکھ رستوں کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے۔

اور مالک بن عبد کہ دونوں ایک ماں کے بیٹے اور باپ کی طرف سے چچازاد تھے حاضر خدمت ہو کر رونے لگے امام نے فرمایا کیوں روتے ہو کچھ ہی دیر باقی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے عرض کی واللہ ہم اپنے لیے نہیں روتے بلکہ حضور کیواسطے روتے ہیں کہ اب ہم میں حضور کی محافظت کی طاقت نہ رہی فرمایا اللہ تمکو جزائے خیر دے بالآخر یہ دونوں بھی رخصت ہو کر بڑھے اور شہید ہو گئے حنظلہ بن اسعد نے امام کے سامنے قرآن مجید کی کچھ آیتیں پڑھیں اور کوفیوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا مگر وہاں ایسی کون سنتا تھا یہ بھی سلام کر کے گئے اور داد شجاعت دیکر شہید ہو گئے شوذب بن شاکر رخصت پاکر بڑھے اور شہادت پاکر بڑھے اور شہادت پاکر دارالسلام پہنچے حضرت عابس اجازت لے کر چلے اور مبارز مانگا ان کی مشہور بہادری کے خوف سے کوئی سامنے نہ آیا ابن سعد نے کہا انھیں پتھروں سے مارو چاروں طرف سے پتھروں کی بوچھار شروع ہو گئی جب انھوں نے ان نامردوں کی یہ حرکت دیکھی طیش میں بھر کر زرہ اتار خود پھینک حملہ آور ہوئے دم کے دم میں سب کو بھگا دیا دشمن پھر حواس جمع کر کے آئے اور انھیں بھی شہید کیا یزید بن ابی زیاد کندی نے جو کوفے کے لشکر میں تھے اور نار سے نکل کر نور میں آگئے تھے دشمنوں پر تیر مارنے شروع کیے اٹے ہر تیر پر امام نے دعا فرمائی الٰہی اس کا تیر خطا نہ ہو اور اسے جنت عطا فرما۔ سو تیر مارے جن میں پانچ بھی خطا نہ گئے آخر کار شہید ہوئے اس واقعے میں سب سے پہلے انھوں ہی نے شہادت پائی اور شہیدان کربلا کی ترتیب وار فہرست انھیں کے نام شروع ہوئی ہے عمرو بن خالد مع سعد مولے وجبار بن حارث ومجمع بن عبید اللہ لڑتے لڑتے دشمنوں میں ڈوب گئے اس وقت اشقیا نے سخت حملہ کیا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حملہ فرما کر چھڑا لائے زخموں میں چور تھے اسی حال میں دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے اب امام

کے وفادار اور جاں نثار سپاہیوں میں چند رشتہ داروں کے سوا کوئی باقی نہ رہا ان حضرات میں سب سے پہلے جو دشمنوں کے مقابلہ پر تشریف لائے امام کے صاحبزادے حضرت[1] علی اکبر ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیروں کے حملے مشہور رہیں پھر یہ شیر تو محمدی کچھار کا شیر ہے اس نے جھنجلائے ہوئے حملہ سے خدا کی پناہ دشمنوں کو قہرالٰہی کا نمونہ دکھا دیا جس نے سر اٹھایا نیچا دکھایا صف شکن حملوں سے جدہر بڑھے دشمن کائی کی طرح پھٹ گئے دیر تک قتال کرتے اور قتل فرماتے رہے پیاس اور ترقی پکڑ گئی واپس تشریف لائے اور دم راست فرماکر پھر حملہ آور ہوئے اور دشمنوں کی جان پر وہی قیامت برپا کردی چند بار ایسا ہی ہوا یہاں تک کہ مرہ بن مُنقذ عبدی شقی کا نیزہ لگا اور بدبختوں نے تلواروں پر رکھ لیا جنت علیا میں آرام فرمایا نوجوان بیٹے کی لاش پر امام نے فرمایا بیٹے خدا تیرے شہید کرنے والے کو قتل کرے تیرے بعد دنیا پر خاک ہے یہ قوم اللہ سے کتنی بیباک اور رسول کی بیحرمتی پر کس قدر جری ہے پھر نعش مبارک اٹھا کر لے گئے اور خیمہ کے پاس رکھ دی پھر عبداللہ بن مسلم لڑائی پر گئے اور شہید ہوئے اب اعدا نے چار طرف سے نرغہ کیا اس نرغے میں عون بن عبداللہ بن حضرت جعفر طیار اور عبدالرحمٰن و جعفر پسران عقیل نے شہادتیں پائیں پھر حضرت قاسم حضرت امام حسن کے صاحبزادے حملہ آور ہوئے اور عمرو بن سعد بن نفیل مردود کی تلوار کھاکر زمین پر گرے امام کو چچا کہکر آواز دی امام شیر غضبناک کی طرح پہنچے اور عمرو مردود پر تلوار چھوڑی اس نے روکی ہاتھ کہنی سے اڑ گیا وہ چلایا کوفے کے سوار اس کی مدد کو دوڑے اور گرد و غبار میں اسی کے ناپاک سینے پر گھوڑوں کی ٹاپیں پڑگئیں جب گرد چھٹی تو دیکھا امام حضرت قاسم کی لاش پر فرما رہے ہیں قاسم تیرے قاتل رحمت الٰہی سے دور ہیں

---

[1] ان کی والدہ ماجدہ حضرت لیلےٰ بنت ابی مرہ ہیں نہ حضرت شہربانو[2] جیسا کہ عوام میں مشہور ہے ۱۲ منہ

[2] ایران کی فتوحات میں جب شاہ یزدگرد کی دو لڑکیاں باندیاں بن کر آئیں، تو حضرت عمرؓ نے ان میں سے ایک خاتون شہربانو کو حضرت علیؓ کے مشورے سے حضرت حسینؓ کے نکاح میں دے دیا، جن کے بطن سے علی بن حسین (امام زین العابدینؓ) پیدا ہوئے۔

خدا کی قسم تیرے چچا پر سخت شاق گزرا کہ تو پکارے اور وہ تیری فریاد کو نہ پہنچ سکے پھر انہیں بھی اپنے سینے پر اُٹھا کر لے گئے اور حضرت علی اکبر کی برابر لٹا دیا۔

اسی طرح یکے بعد دیگرے حضرت عباس اور اُن کے تینوں بھائی اور امام کے دوسرے صاحبزادے حضرت ابوبکر اور سب بھائی بھتیجے شہید ہو گئے اللہ اُنھیں اپنی وسیع رحمتوں کے سائے میں جگہ دے اور ہمیں اُن کی برکات سے بہرہ مند فرمائے۔ اب امام مظلوم تنہا رہ گئے خیمے میں تشریف لا کر اپنے چھوٹے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو (جو عوام میں علی اصغر مشہور ہیں) گود میں اُٹھا کر میدان میں لائے ایک شقی نے تیر مارا کہ گود ہی میں ذبح ہو گئے امام نے اُن کا خون زمین پر گرایا اور دعا کی الٰہی اگر تو نے آسمانی مدد ہم سے روک لی ہے تو انجام بخیر فرما اور ان ظالموں سے بدلے لے

پھول کھِل کھِل کر بہاریں اپنی سب دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بے کھِلے مرجھا گئے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سیدنا و مولانا محمد و علٰی اٰلہ و صحبہ اجمعین حُسن و عشق کے باہمی تعلقات سے جو آگاہ ہیں جانتے ہیں کہ وصل دوست جسے چاہنے والے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں بغیر مصیبتیں اُٹھائے اور بلائیں جھیلے حاصل نہیں ہوتا۔

رباعی

اے[1] دل بہوس بسر بکارے نرسی ۔۔۔ تا غم نخوری بغمگسارے نرسی
تا سودہ نگردی چو حنا در تہ سنگ ۔۔۔ ہرگز بکف پائے نگارے نرسی

دل میں نشتر چبھو کر توڑ دیتے اور کلیجے میں چھریاں مار کر چھوڑ دیتے ہیں اور پھر تاکید ہوتی ہے کہ اُف کی تو عاشقوں کے دفتر سے نام کاٹ دیا جائیگا غرض پہلے ہر طرح اطمینان کر لیتے اور امتحان فرما لیتے ہیں جب کہیں چلمن سے ایک جھلک دکھانے کی نوبت آتی ہے۔ رباعی

خوباں[2] دل و جان بینوا میخواہند ۔۔۔ زخمے کہ زنند مرحبا میخواہند

---

[1] اے دل ہوس سے تو کامیاب نہ ہوگا جب تک تو غم نہ کھائے گا، غمگسار تک تیری رسائی نہ ہوگی جب تک تو مہندی کی طرح پتھر کے نیچے پس نہ جائے گا محبوب کے تلوے تک تیری رسائی نہ ہو سکے گی۔
؏ رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھِس جانے کے بعد

[2] محبوب، عشاق سے ایسے دل و جان چاہتے ہیں جو بے نوا ہوں زخم لگا کر انہی سے مرحبا کے طالب ہوتے ہیں

ایں[1] قوم ایں قوم چشم بد دور ایں قوم خون می ریزند و خونبہا میخواہند

اور یہ امتحان کچھ حسینانِ زمانہ ہی کا دستور نہیں حُسنِ ازل کی دلکش تجلیوں دلچسپ جلوؤں کا بھی معمول ہے کہ فرمایا جاتا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ[2] بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ۔ اور ضرور ہم تمہارا امتحان کریں گے کچھ خوف کچھ بھوک سے اور مال گھٹا کر اور جانوں اور پھلوں سے۔ جب ان کڑیوں کو جھیل لیا جاتا اور ان تکلیفوں کو برداشت کر لیا جاتا ہی تو پھر کیا پوچھنا سراپردۂ جمال ترسی ہوئی آنکھوں کے سامنے سے اُٹھا دیا جاتا اور مدت کے بیقرار دل کو راحت و آرام کا پُتلا بنا دیا جاتا ہی اسی بنیاد پر تو میدان کربلا میں امام مظلوم کو وطن سے چھڑا کر پردیسی بنا کر لائے ہیں اور آج صبح سے ہمراہیوں فیقوں بلکہ گود کے پالوں کو ایک ایک کر کے جُدا کر لیا گیا ہے کلیجے کے ٹکڑے خون میں نہائے آنکھوں کے سامنے پڑے ہیں ہری بھری پھلواری کے سہانے اور نازک پھول پتی پتی ہو کر خاک میں ملے ہیں اور کچھ پرواہ نہیں۔ پرواہ ہوتی تو کیوں ہوتی کہ راہ دوست میں گھر لُٹانے والے اسی دن کے لیے مدینے سے چلے تھے جب تو ایک ایک کو بھیجکر قربان کرا دیا اور جو اپنے پاؤں نہ جا سکتے تھے اُن کو ہاتھوں پر لیکر نذر کر آئے۔ کہاں ہیں وہ ملائکہ جو حضرت انسان کی پیدائش پر چون وچرا کرتے تھے اپنی جانمازوں اور تسبیح و تقدیس کے مصلوں سے اُٹھکر آج کربلا کے میدان کی سیر کریں اور اِنِّي[3] أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ کی شاندار تفسیر حیرت کی آنکھوں سے ملاحظہ فرمائیں اس دل دُکھانیوالے معرکے میں امتحان سبھی کا منظور تھا مگر حسین مظلوم کا اصلی اور اوروں کا طفیلی اگر ایسا نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ دشمنوں کے ہاتھ سے جو صرف امام ہی کے دشمن امام ہی کے خون کے پیاسے تھے پہلے امام کو شہید کرا دیا جاتا اللہ اکبر اس وقت کس قیامت کا دردناک منظر آنکھوں کے سامنے ہے امام مظلوم اپنے گھر والوں سے رخصت ہو رہے ہیں بیکسی کی حالت تنہائی کی کیفیت تین دن کے پیاسے مقدس جگر پر سینکڑوں تیر کھائے ہزاروں دشمنوں کے

---

[1] یہ گروہ، چشمِ بد دُور عجیب گروہ ہے خود قتل کرتے ہیں اور پھر خون بہا طلب کرتے ہیں۔

[2] القرآن الحکیم، سُورۃ البقرۃ، ۱۵۵

[3] فاضِل مؤلف کا اِشارہ تخلیقِ آدم پر ملائکہ کے اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد "مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے"۔ (۲ : ۳۰) کی جانب ہے۔

مقابلہ پر جانے کا سامان فرما رہے ہیں اہلبیت کی صغیر سن صاحبزادیاں دنیا میں جن کی ناز برداری کا آخری فیصلہ ان کی شہادت کے ساتھ ہونیوالا ہے بیچین ہو ہو کر رو رہی ہیں بیکس سیدانیاں بیبیاں جن کے عیش جن کے آرام کا خاتمہ انکی رخصت کے ساتھ خیرباد کہنے والا ہے سخت بیچینی کے ساتھ اشکبار ہیں اور بعض وہ مقدس صورتیں جن کو بیکسی کی بولتی ہوئی تصویر کہنا ہر طریقے سے درست ہو سکتا ہے جن کا سہاگ خاک میں ملنے والا اور جن کا ہرا سر ان کے مقدس دم کے ساتھ ٹوٹنے والا ہے روتے روتے بے حال ہو گئی ہیں اُن کے اُڑے ہوئے رنگ والے چہرے پر سکوت اور خاموشی کے ساتھ مسلسل اور لگاتار آنسوؤں کی روانی صورت حال دکھا دکھا کر عرض کر رہی ہے ؎

میروی و گریہ مے آید مرا ساعتے بنشیں کہ باراں بگزرد[1]

اس وقت حضرت امام زین العابدین کے دل سے کوئی پوچھے کہ حضور کے ناتواں دل نے آج کیسے کیسے صدمے اُٹھائے اور اب کیسی مصیبت جھیلنے کے سامان ہو رہے ہیں بیماری پردیس بچپن کے ساتھیوں کی جدائی ساتھ کھیلے ہوؤں کا فراق پیارے بھائیوں کے داغ نے دل کا کیا حال کر رکھا ہے۔ اب ضدیں پوری کرنے والے اور ناز اُٹھانے والے مہربان باپ کا سایہ بھی سر مبارک سے اُٹھنے والا ہے اس پر طرہ یہ کہ ان مصیبتوں ان ناقابل برداشت تکلیفوں میں کوئی بات پوچھنے والا بھی نہیں ؎

درد دل اُٹھ اُٹھ کے کس کا راستہ تکتا ہے تو پوچھنے والا مریض بے کسی کا کون ہے

اب امام بچوں کو کلیجے سے لگا کر عورتوں کو صبر کی تلقین فرما کر آخری دیدار دکھا کر تشریف لے چلے ہیں

از پیش من آں رشک چمن میگزرد[2] چوں روح روانیکہ ز تن میگزرد

حال عجبے روز وداعش دارم من از سرو جاں از من میگزرد

ہائے اس وقت کوئی اتنا بھی نہیں کہ رکاب تھام کر سوار کرائے یا میدان تک ساتھ جائے

[1] تیرے رخصت ہونے پر مجھے رونا آتا ہے تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جاؤ تاکہ مجھے قرار آجائے اور میرے آنسو تھم جائیں۔

[2] وہ رشک چمن محبوب میری نظروں سے یوں اوجھل ہوتا ہے جیسے روح جسم سے جدا ہوتی ہے۔ اس کے بچھڑنے پر میرا عجیب حال ہے، گویا میں سر سے اور جان مجھ سے جدا ہو رہے ہیں۔

ہاں کچھ بیکس بچوں کی دردناک آوازیں اور بے بس عورتوں کی مایوسی بھری نگاہیں ہیں جو ہر قدم پر امام کے ساتھ ساتھ ہیں امام مظلوم کا جو قدم آگے پڑتا ہے یتیمی بچوں اور بیکسی عورتوں سے قریب ہوتی جاتی ہے امام کے متعلقین امام کی بہنیں جنھیں ابھی صبر کی تلقین فرمائی گئی تھی اپنے زخمی کلیجوں پر صبر کی بھاری سل رکھے ہوئے سکوت کے عالم میں بیٹھی ہیں مگر اُن کے آنسوؤں کا غیر منقطع سلسلہ اُن کے بیکسی چھائے ہوئے چہروں کا اُڑا ہوا رنگ جگر گوشوں کی شہادت امام کی رخصت اپنی بے بسی گھر بھر کی تباہی پر زبان حال سے کہہ رہا ہے ؎

مجھکو جنگل میں اکیلا چھوڑکر　　قافلہ سارا روانہ ہوگیا

تاریخ کا پچھلا حصہ اور امام تشنہ کام کی شہادت

باغِ جنت کے ہیں بہر مدح خوان اہلبیت
کس زباں سے ہو بیانِ عز و شانِ اہلبیت

اُن کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہی بیاں
مصطفےٰ عزت بڑھانے کیلیے تعظیم دیں

اُن کے گھر میں بے اجازت جبرئیل آتے نہیں
مصطفےٰ بائع خریدار اُس کا اللّٰہ اشتریٰ[1]

رزم کا میداں بنا ہی جلوہ گاہِ حسن و عشق
پھول زخموں کے کھلائے ہیں ہوائے دوست نے

حوریں کرتی ہیں عروسانِ شہادت کا سنگار
ہوگئی تحقیق عید دید آبِ تیغ سے

ہم کو مژدہ نار کا اے دشمنانِ اہلبیت
مدح گوئے مصطفےٰ ہی مدح خوانِ اہلبیت

آیۂ تطہیر سے ظاہر ہی شانِ اہلبیت
ہی بلند اقبال تیرا دودمانِ اہلبیت

قدر والے جانتے ہیں قدر شانِ اہلبیت
خوب چاندی کر رہا ہی کاروانِ اہلبیت

کربلا میں ہو رہا ہے امتحانِ اہلبیت
خون سے سینچا گیا ہے گلستانِ اہلبیت

خوبرو دولہا بنا ہے ہر جوانِ اہلبیت
اپنے روزے کھولتے ہیں صائمانِ اہلبیت

[1] بیچنے والے [2] اشارہ بآیہ کریمہ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط بے شک اللہ نے مسلمانوں سے اُن کے مال اور جان خرید لئے ہیں اِس بدلے پر کہ اُن کے لئے جنت ہے۔

جمعہ کا دن ہے کتا ہیں نیست کی ٹکڑے کرکے آج
کھیلتے ہیں جان پر شہزادگانِ اہلبیت

اے شبابِ فصلِ گل یہ چل گئی کیسی ہوا
کٹ رہا ہے لہلہاتا بوستانِ اہلبیت

کس شقی کی ہے حکومت ہائے کیا اندھیر ہے
دن دہاڑے لٹ رہا ہے کاروانِ اہلبیت

خشک ہو جا خاک ہو کر خاک میں ملجا فرات
خاک تجھ پر دیکھ تو سوکھی زبانِ اہلبیت

خاک پر عباس و عثمانِ علم بردار ہیں
بیکسی اب کون اٹھائے گا نشانِ اہلبیت

تیری قدرت جانور تک آب سے سیراب ہوں
پیاس کی شدت میں تڑپے بیزبانِ اہلبیت

قافلہ سالار منزل کو چلے ہیں سونپ کر
وارثِ بے وارثاں کو کاروانِ اہلبیت

فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میانِ اہلبیت

وقتِ رخصت کہہ رہا ہے خاک میں ملتا سہاگ
لو سلام آخری اے بیوگانِ اہلبیت

ابر فوج دشمناں میں اے فلک یوں ڈوب جائے
فاطمہ کا چاند مہرِ آسمانِ اہلبیت

کس مزے کی لذتیں ہیں آبِ تیغِ یار میں
خاک و خوں میں لوٹتے ہیں تشنگانِ اہلبیت

باغ جنت چھوڑ کر آئے ہیں محبوبِ خدا
اے زہے قسمت تمہاری کشتگانِ اہلبیت

حوریں بے پردہ نکل آئی ہیں سر کھولے ہوئے
آج کیسا حشر ہے یارب میانِ اہلبیت

کوئی کیوں پوچھے کسی کو کیا غرض اے بیکسی
آج کیسا ہے مریضِ نیم جانِ اہلبیت

گھر لٹانا جان دینا کوئی تجھ سے سیکھ جائے
جانِ عالم ہو فدائے خاندانِ اہلبیت

سر شہیدانِ محبت کے ہیں نیزوں پر بلند
اور اونچی کی خدا نے قدر و شانِ اہلبیت

دولتِ دیدار پائی پاک جانیں بیچ کر
کربلا میں خوب ہی چمکی دکانِ اہلبیت

زخم کھانے کو تو آبِ تیغ پینے کو دیا
خوب دعوت کی بلا کر دشمنانِ اہلبیت

اپنا سودا بیچ کر بازار سونا کر گئے
کونسی بستی بسائی تاجرانِ اہلبیت

اہلبیتِ پاک سے گستاخیاں بیباکیاں
لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ دشمنانِ اہلبیت

بے ادب گستاخ فرقے کو سنا دے اے حسن

یوں کہا کرتے ہیں سُنّی داستان اہلبیت

اے کوثر اپنے ٹھنڈے اور خوشگوار پانی کی سبیل تیار رکھ کہ تین دن کے پیاسے تیرے کنارے جلوہ فرمائیں گے۔ اے طوبےٰ اپنے سائے کے دامن اور دراز کر کربلا کی دھوپ کے لیٹنے والے تیرے نیچے آرام لیں گے آج میدان کربلا میں جنتوں سے حوریں سنگار کیے ٹھنڈے پانی کے پیالے لیے حاضر ہیں آسمان سے ملائکہ کی لگاتار آمد نے سطح ہوا کو بالکل بھر دیا ہے اور پاک روحوں نے بہشت کے مکانوں کو سُونا کر دیا خود حضور پُرنور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم مدینۂ طیبہ سے اپنے بیٹے لاڈلے حسین کی قتل گاہ میں تشریف لائے ہوئے ہیں ریش مبارک اور سر اطہر کے بال گرد میں اَٹے ہوئے اور مقدس آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھا ہوا ہے دستِ مبارک میں ایک شیشہ ہے جس میں شہیدوں کا خون جمع کیا گیا ہے اور اب مقدس دل کے چین پیارے حسین کے خون بھرنے کی باری ہے۔

بچہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے ‏ ‏ ‏ کہ بوقت جاں سپردن بسرش سیدہ باشی[1]

غرض آج کربلا میں حسینی میلا لگا ہوا ہے حوروں سے کہو کہ اپنی خوشبودار چوٹیاں کھولکر کربلا کا میدان صاف کریں کہ تمہاری شاہزادی تمہاری آقائے نعمت فاطمۂ زہرا کے لال کے شہید کرنے اور خاک پر لٹائے جانے کا وقت قریب آگیا ہے۔ رضوان کو خبر دو کہ جنتوں کو بھینی بھینی خوشبویوں سے بسا کر دلکش آرائشوں سے آراستہ کرکے دُلہن بنا رکھے کہ بزم شہادت کا دولھا بہتے خون کا سہرا باندھے زخموں کے ہار گلے میں ڈالے عنقریب تشریف لانے والا ہے۔

ساعت آہ و بکا و بے قراری آگئی ‏ ‏ ‏ سیّد مظلوم کی رن میں سواری آگئی
ساتھ والے بھائی بیٹے ہو چکے ہیں سب شہید ‏ ‏ ‏ اب امام بیکس و تنہا کی باری آگئی

امام نے شمر خبیث کو خیمۂ اطہر کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھکر فرمایا خرابی ہو تمہارے

[1] تیرے نیاز مند نے جہان سے کس ناز و انداز سے کوچ کیا ہو گا جب جاں سپاری کے وقت تو اُس کے سرہانے موجود ہو گا۔

لیے اگر دین نہیں رکھتے اور قیامت سے نہیں ڈرتے تو شرافت سے تو نہ گزرو میرے
اہلبیت سے اپنے جاہل سرکشوں کو روکو۔ دشمن اُدھر سے باز رہے اب چار طرف
سے امام مظلوم پر جنھیں شوق شہادت ہزاروں دشمنوں کے مقابلہ میں اکیلا کر کے لایا ہے'
نرغہ ہوا امام داہنی طرف حملہ فرماتے تو دور تک سواروں اور پیادوں کا نشان نہ رہتا
بائیں جانب تشریف لے جاتے تو دشمنوں کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑتا۔ خدا کی
قسم وہ فوج اس طرح ان کے حملوں سے پریشان ہوتی جیسے بکریوں کے گلہ پر شیر
آپڑتا ہے لڑائی نے طول کھینچا ہے دشمنوں کے چھکّے چھوٹے ہوئے ہیں ناگاہ
امام کا گھوڑا بھی کام آگیا پیادہ ایسا قتال فرمایا کہ سواروں سے ممکن نہیں تین
دن کے پیاسے تھے ایک بدبخت نے فرات کی طرف اشارہ کر کے کہا وہ
دیکھیے کیسا چمک رہا ہے مگر تم اس میں سے ایک بوند نہ پاؤ گے یہاں تک کہ پیاسے
ہی مارے جاؤ گے فرمایا اللہ تجھکو پیاسا قتل کرے فوراً پیاس میں مبتلا ہوا پانی
پیتا اور پیاس نہ بجھتی یہاں تک کہ پیاسا ہی مر گیا حملہ کرتے اور فرماتے کیا
میرے قتل پر جمع ہوئے ہو ہاں ہاں خدا کی قسم میرے بعد کسی کو قتل نہ کرو گے
جس کا قتل میرے قتل سے زیادہ خدا کی ناخوشی کا سبب ہو خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ
اللہ تعالٰی تمھاری ذلت سے مجھے عزت بخشے اور تم سے وہ بدلہ لے جو تمھارے
خواب و خیال میں بھی نہ ہو خدا کی قسم تم مجھے قتل کرو گے تو اللہ تم میں پھوٹ
ڈالے گا اور تمھارے خون بہائے گا اور اس پر راضی نہ ہو گا یہاں تک کہ تمھارے
لیے دُکھ دینے والا عذاب چند در چند بڑھائے گا جب شمر خبیث نے کام نکلتا نہ
نہ دیکھا لشکر کو للکارا تمھاری مائیں تمکو بیٹھیں کیا انتظار کر رہی ہو حسین کو قتل کرو اب
چار طرف سے ظلمت کے ابر اور تاریکی کے بادل فاطمہ کے چاند پر چھا گئے زرعہ بن
شریک تمیمی نے بائیں شانۂ مبارک پر تلوار ماری امام تھک گئے ہیں زخموں سے چور ہیں

۳۳ زخم نیزے کے ۳۴ گھاؤ تلواروں کے لگے ہیں تیروں کا شمار نہیں اُٹھنا چاہتے ہیں اور گر پڑتے ہیں اسی حالت میں سنان بن انس نخعی شقی ناری جہنمی نے نیزہ مارا کہ وہ عرش کا تارا زمین پر ٹوٹ کر گرا سنان مردود نے خولی بن یزید سے کہا سر کاٹ لے اُس کا ہاتھ کانپا سنان ولد الشیطان بولا تیرا ہاتھ بیکار ہو اور خود گھوڑے سے اُتر کر محمد رسول اللہ کے جگر پارے تین دن کے پیاسے کو ذبح کیا اور سر مبارک جدا کر لیا شہادت جو دُلہن بنی ہوئی سُرخ جوڑا جنتی خوشبوؤں سے بسائے اُسی وقت کی منتظر بیٹھی تھی گھونگھٹ اُٹھا کر بیتابانہ دوڑی اور اپنے دولھا حسین شہید کے گلے میں باہیں ڈالکر لپٹ گئی فصلے اللہ علے سیّدنا ومولٰنا محمد والہ وصحبہ اجمعین ولعنۃ اللہ علے اعدائہ واعدائہم الظٰلمین اس پر بھی صبر نہ آیا امام کا لباس مبارک اُتار کر آپس میں بانٹ لیا عداوت کی آگ اب بھی نہ بجھی اہل بیت کے خیموں کو لوٹا تمام مال اسباب اور محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی صاحبزادیوں کا زیور اُتار لیا کسی بی بی کے کان میں ایک بالی بھی نہ چھوڑی اللہ عزوجل واحد قہار کی ہزار ہزار لعنتیں اُن بے دینوں کی شقاوت پر زیور در کنار اہل بیت کے سروں سے دوپٹے تک....... اب بھی مردودوں کے چین نہ پڑا ایک شقی ناری جہنمی پکارا کوئی ہے کہ حسین کے جسم کو گھوڑوں سے پامال کر دے دس مردود گھوڑے کداتے دوڑے اور فاطمہ کی گود کے پالے مصطفے کے سینے پر کھیلنے والے کے تن مبارک کو سموں سے روندھا کہ سینہ و پشت نازنین کی تمام ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں صلے اللہ علے محمد والہ وصحبہ اجمعین ولعنۃ اللہ علی اعدائہ واعدائہم الظالمین کبرے کُتے شمر خبیث نے چاہا کہ امام زین العابدین کو بھی شہید کرے حمید بن مسلم بولا سبحان اللہ کیا بچے بھی قتل کیے جائیں گے ظالم باز رہا پھر سر مبارک امام مظلوم و شہدائے مرحوم خولی بن یزید

اور حمید بن مسلم کے ساتھ ابن زیاد کے پاس بھیجے گئے جب کوفے آئے مکان بند پایا
خولی سر مبارک لیکر گھر آیا اور اپنی عورت نوار سے کہا میں تیرے لیے وہ چیز لایا ہوں
جو عمر بھر کو غنی کر دے اُس نے پوچھا کیا ہے کہا حسین کا سر بولی خرابی ہو تیرے لیے
لوگ چاندی سونا لیکر آتے ہیں اور تو رسول اللہ (صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) کے
بیٹے کا سر لایا خدا کی قسم میں تیرے ساتھ کبھی نہ رہوں گی۔ یہ بی بی کہتی ہیں میں نے
رات بھر دیکھا کہ ایک نورِ عظیم سرِ مبارک سے آسمان تک بلند ہے اور سپید
پرند سرِ اقدس پر قربان ہو رہے ہیں جب سرِ مبارک ابن زیاد خبیث کے پاس لایا
گیا اُس کے گھر کے در و دیوار سے خون بہنے لگا وہ شقی چھڑی سے دندانِ مبارک
چھو کر بولا میں نے ایسا خوبصورت نہ دیکھا دانت کیسے اچھے ہیں زید بن ارقم
رضی اللہ تعالےٰ عنہ تشریف رکھتے تھے فرمایا اپنی چھڑی ہٹا میں نے مدتوں
رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو ان ہونٹوں کو چومتے اور پیار کرتے دیکھا
ہے یہ کہکر رونے لگے وہ خبیث بولا تمہیں رونا نصیب ہو اگر سٹھ نہ گئے ہوتے
تو گردن مار دیتا یہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اُس مردود کے درباریوں سے فرمایا
تم نے فاطمہ کے بیٹے کو قتل کیا اور مرجانہ کے جنے کو امیر بنایا آج سے تم غلام
ہو خدا کی قسم تمہارے اچھے اچھے قتل کیے جائیں گے اور جو بچ رہیں گے غلام
بنا لیے جائیں گے۔ دور ہوں وہ جو ذلت و عار پر راضی ہوں پھر فرمایا اے
ابن زیاد میں تجھ سے وہ حدیث ضرور بیان کروں گا جو تجھے غیظ و غضب کی
آگ میں پھونک دے۔ میں نے حضورِ اقدس کو دیکھا دہنی ران مبارک پر حسن کو بٹھایا
اور بائیں پر حسین کو اور دستِ اقدس ان کے سروں پر رکھکر دعا فرمائی الٰہی میں
ان دونوں کو تجھے اور نیک مسلمانوں کو سونپتا ہوں۔ اے ابن زیاد دیکھ نبی صلی اللہ
تعالےٰ علیہ وسلم کی امانت کے ساتھ تو نے کیا کیا۔ ادھر ظالموں نے عابد بیمار کے

گلے میں طوق ہاتھوں میں ہتکڑیاں ڈالیں اور بی بیوں کو اونٹوں پر سوار کرا کر دو روز بعد کربلا سے کوچ کیا۔

الٰہی کیسا زمانے میں انقلاب کیا سوار گھوڑوں پر اعدا، پیادہ شہزادہ

جب یہ مظلوموں کا لٹا ہوا قافلہ شہیدوں کی لاشوں پر گزرا کہ بے گور و کفن میدان میں پڑے ہیں حضرت زینب بیتابانہ چلا اٹھیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملائکہ آسمان کی درودیں حضور پر ہیں حسین میدان میں لیٹے سر سے پاؤں تک خون میں لپٹے تمام بدن کے جوڑ کٹے اور حضور کی بیٹیاں قیدی ہوئیں اور حضور کے بچے مقتول پڑے ہیں جن پر ہوا خاک اڑا کر ڈالتی ہے۔ جب یہ مظلوم قافلہ ابن زیاد بدنہاد کے پاس پہنچا اس نے عابد مظلوم سے بحث کی مسکت جواب پانے پر حیران ہو کر بولا خدا کی قسم تم انھیں میں سے ہو پھر ایک شخص سے کہا دیکھ تو یہ بالغ ہیں اس پر مری بن معاذ احمری شقی نے سید مظلوم کو بے ستر کر کے دیکھا کہا ہاں جوان ہیں خبیث بولا انھیں بھی قتل کر حضرت زینب بیتاب ہو کر مظلوم بھتیجے کے گلے سے لپٹ گئیں اور فرمایا ابن زیاد بس کر ابھی ہمارے خون سے تو سیراب نہ ہوا ہم میں تو نے کسے باقی چھوڑا ہے میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ .... اس بچے کو قتل کرے تو اس کے ساتھ مجھے بھی مار ڈال عابد مظلوم نے فرمایا اے ابن زیاد ان بیکس عورتوں کا کون نگہبان رہے گا دین و دیانت و حقوق رسالت تو برباد گئے آخر تجھے انسے کچھ قرابت بھی ہے اسی کا خیال کر کے انکے ساتھ کوئی خدا ترس بندہ کر دینا جو اسلامی پاس کیساتھ انھیں مدینہ پہنچا آئے حضرت زینب کی یہ حالت دیکھکر خبیث بولا خون کی شرکت بھی کیا چیز ہے میں یقین کرتا ہوں کہ یہ بی بی چاہتی ہے کہ اس لڑکے کو قتل کروں تو انھیں بھی قتل کر دوں خیر لڑکے کو چھوڑ دو کہ اپنے ناموس کے ساتھ رہے اب یہ قافلہ اور شہیدوں کے سر شام کو روانہ کئے گئے سر مبارک نیزہ پر تھا راہ میں ایک

شخص قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا جب اس آیت پر پہنچا [1] اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَھْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ۔ کیا تو نے جانا کہ کہف و رقیم والے ہماری نشانیوں سے اچنبا تھے ۔ سر مبارک نے فرمایا یا تالی القرآن اَعْجَبُ مِنْ قِصَّۃِ اَصْحٰبِ الْکَھْفِ قَتْلِیْ وَحَمْلِیْ اے قرآن پڑھنے والے اصحاب کہف کے قصے سے زیادہ عجیب ہے میرا قتل کرنا اور سر نیزے پر لیے پھرنا ۔ ظالم جہاں ٹھہرتے سر مبارک کو نیزے پر رکھکر پہرا دیتے ایک راہب نصرانی نے دیکھا پوچھا بتایا کہا تم بُرے لوگ ہو کیا دس ہزار اشرفیاں لیکر اس پر راضی ہو سکتے ہو کر ایک رات یہ سر میرے پاس رہے دُنیا کے کتوں نے قبول کر لیا راہب نے سر مبارک لیکر دھویا خوشبو لگائی رات بھر اپنی ران پر رکھے دیکھتا رہا ایک نور بلند ہوتا پایا راہب نے وہ رات رو کر کاٹی صبح اسلام لایا اور گرجا اور اُس کا مال متاع چھوڑ کر اہل بیت کی خدمت میں عمر گزار دی صبح اُن خبیثوں نے اشرفیوں کے توڑے آپس میں حصے کرنے کو کھولے سب اشرفیاں ٹھیکریاں ہو گئی تھیں ان کے ایک طرف لکھا تھا [2] وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ ہرگز اللہ کو غافل نہ جانیو ظالموں کے کاموں سے اور دوسری طرف لکھا تھا [3] وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۔ اب جانے جاتے ہیں ظلم کرنے والے کس پلٹے پر پلٹا کھاتے ہیں جب سر مبارک امام مظلوم کا اُس ظالم اظلم یزید پلید کے پاس پہنچا بید سے چھونے لگا نصرانی بادشاہ روم کا سفیر موجود تھا حیران ہو کر بولا کہ ہمارے یہاں ایک جزیرے کی گرجا میں عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے کا سُم ہے ہم ہر سال دور دور سے اُسکی طرف حج کی طرح جاتے اور منتیں مانتے ہیں اور اُس کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جیسے تم اپنے کعبہ کی تم نے اپنے نبی کے بیٹے کیساتھ یہ سلوک کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم لوگ باطل پر ہو ایک یہودی نے کہا مجھ میں اور داؤد علیہ السلام میں ستّر پشت کا فاصلہ ہے یہود میری تعظیم کرتے ہیں اور

[1] سورۃ الکہف: ۹ [2] سورۃ ابراہیم: ۴۲ [3] سورۃ الشعراء: آخری آیت

تم نے خود اپنے نبی کے بیٹے کو قتل کیا۔ پھر شام سے یہ قافلہ مدینہ طیبہ کو روانہ کیا گیا مدینہ میں پہنچنے کی تاریخ قیامت کا سامان اپنے ساتھ لائی گھر گھر میں کہرام تھا در و دیوار سے دل دکھانے اور کلیجے میں گھاؤ ڈالنے والی مصیبت ٹپکی پڑتی تھی۔

بعد کے واقعات

بعد شہادت آسمان سے خون برسا نصرۂ ازدیہ کہتی ہیں، ہم صبح کو اٹھے تو تمام برتن خون سے بھرے پائے آسمان اس قدر تاریک ہوا کہ دن کو ستارے نظر آئے ملک شام میں جو پتھر اٹھاتے اس کے نیچے تازہ خون پاتے۔ ایک روایت میں ہے سات دن آسمان اس قدر تاریک ہوا کہ دیواریں شہاب کی رنگی ہوئی چادریں معلوم ہوتیں ستاروں میں تلاطم نظر آتا ایک ستارہ دوسرے سے ٹکراتا ابوسعید فرماتے ہیں دنیا بھر میں جو پتھر اٹھایا اس کے نیچے تازہ خون پایا آسمان سے خون برسا کپڑے پھٹتے پھٹ گئے مگر اس کا اثر جانا تھا نہ گیا۔ خراسان و شام و کوفہ میں گھروں اور دیواروں پر خون ہی خون تھا۔ علما فرماتے ہیں یہ تیز سرخی جو شفق کے ساتھ دیکھی جاتی ہے شہادت مبارک سے پہلے نہ تھی چھ مہینے تک آسمان کے کنارے سرخ رہے پھر یہ سرخی نمودار ہوئی ابوالشیخ نے روایت کی کچھ لوگ بیٹھے ذکر کر رہے تھے کہ جس نے امام مظلوم کے قتل میں کچھ اعانت کی کسی نہ کسی بلا میں ضرور مبتلا ہوا ایک بڈھے نے اپنے نفس ناپاک کی نسبت کہا کہ اسے تو کچھ نہ ہوا چراغ کی بتی سنبھالی آگ نے اس شقی کو لیا آگ آگ چلاتا فرات میں کود پڑا مگر وہ آگ ہی نہ بجھی یہاں تک کہ آگ میں پہنچا۔ منصور بن عمّار نے روایت کی امام کے قاتل ایسی پیاس میں مبتلا ہوئے کہ ایک ایک مشک چڑھا جاتے اور پیاس کم نہ ہوتی سدی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کربلا میں میری دعوت کی لوگوں نے

اُس میں ذکر کیا کہ جب جس نے حسین کے خون میں شرکت کی بری موت مرا میزبان نے اُسے جھٹلایا اور کہا وہ شخص بھی اسی لشکر میں تھا پچھلی رات چراغ درست کرنے اٹھا آگ نے جست کرکے اس کے بدن کو لیا خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ اس کا بدن کوئلا ہو گیا تھا۔ امام زہری فرماتے ہیں ان میں کوئی مارا گیا کوئی اندھا ہو کر مرا کسی کا مونھ کالا ہو گیا امام واقدی فرماتے ہیں ایک بڈھا وقت شہادت امام موجود تھا شریک نہ ہوا تھا اندھا ہو گیا سبب پوچھا کہا اس نے مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آستینیں چڑھائے دست اقدس میں ننگی تلوار لیے سامنے حسین کے دس قاتل ذبح کیے ہوئے پڑے ہیں حضور نے اس بڈھے پر غضب فرمایا کہ تو نے موجود ہو کر اس گروہ کو بڑھایا اور خون امام کی ایک سلائی آنکھوں میں لگا دی اُٹھا تو اندھا تھا سبط ابن الجوزی روایت کرتے ہیں جس شخص نے سر مبارک امام مظلوم اپنے گھوڑے پر لٹکایا تھا چند روز بعد اُس کا مونھ کولے سے زیادہ کالا ہو گیا لوگوں نے کہا تیرا چہرہ تو عرب بھر میں تر و تازہ تھا یہ کیا ماجرا ہے کہا جب سے وہ سر اُٹھایا ہے ہر رات دو شخص آتے اور بازو پکڑ کر بھڑکتی آگ پر لیجاکر دھکا دیتے ہیں سر جھکتا ہے آگ چہرے کو مارتی ہے پھر نہایت برے حالوں مر گیا ایک بڈھے نے حضور پُر نور کو خواب میں دیکھا کہ سامنے ایک طشت میں خون رکھا ہے اور لوگ پیش کیے جاتے ہیں حضور اس خون کا دھبا لگا دیتے ہیں جب اس کی باری آئی اس نے عرض کی میں تو موجود نہ تھا فرمایا دل سے تو چاہا تھا پھر انگشت مبارک سے اسکی طرف اشارہ کیا صبح کو اندھا اُٹھا حاکم نے روایت کی کہ حضور پُر نور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جبریل نے عرض کی اللہ تعالےٰ فرماتا ہے میں نے یحییٰ بن زکریا کے بدلے ستر ہزار قتل کیے اور حسین کے عوض میں ستر ہزار اور ستر ہزار قتل فرماؤنگا الحمد للہ اللہ عزوجل نے ابن زیاد خبیث سے امام کا بدلہ لیا جب وہ مردود

مارا گیا اُس کا سر مع اُس کے ساتھیوں کے سروں کے لاکر رکھا گیا لوگوں کا ہجوم
تھا غُل پڑ گیا آیا آیا راوی کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ ایک سانپ آرہا
ہے سب سروں کے بیچ میں ہوتا ہوا ابن زیاد کے سر ناپاک تک
پہنچا ایک نتھنے میں سے گھس کر دوسرے نتھنے میں سے نکلا
اور چلا گیا پھر غُل پڑا آیا آیا پھر وہی سانپ آیا اور
یونہیں کیا کئی بار ایسا ہی ہوا۔ منصور کہتے ہیں
میں نے شام میں ایک شخص دیکھا اسکا مونھ
سوئر کا مونھ تھا سبب پوچھا کہا وہ
مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم
اور اُن کی پاک اولاد
پر لعنت کیا کرتا
ایک رات
حضور
سیّد عالم
صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا امام حسن
مجتبےٰ رضی اللہ تعالے عنہ نے اس خبیث کی
شکایت کی حضور نے اُسپر لعنت فرمائی
اور مونھ پر تھوک دیا چہرہ
سوئر کا ہوگیا
وَالعِیَاذُ بِاللہِ رَبِّ العٰلَمِین
فقط

سوانح پروفیسر مولوی حاکم علی مرحوم

پر

روزنامہ "امروز" لاہور کا تبصرہ

تالیف:۔ پروفیسر محمد صدیق ———— ناشر:۔ مکتبہ رضویہ ۲/۲۴ سوڈیوال کالونی، ملتان روڈ لاہور ۲۵

مکتبہ رضویہ کے ناظمِ اعلیٰ جناب ظہور الدین صاحب اِس اِعتبار سے قابلِ داد ہیں کہ اُن کی نگاہ خزف ریزوں میں دبے اور وقت کے گرد و غبار میں اَٹے ہُوئے جواہر پر رہتی ہے۔ نئی نسل نے تو مولوی حاکم علی صاحب علیہ الرحمۃ کا نامِ نامی سُنا بھی نہ ہوگا۔ چہ جائے کہ اُن کے سوانح اور علمی و دینی کارناموں سے کچھ آگاہی ہو۔ اِس دَورِ زبُوں اور ناپُرساں میں ظہور الدین صاحب نے برِّصغیر کی اس بھولی بسری عظیم شخصیّت کے سوانح مرتّب کرائے اور پروفیسر محمد صدّیق صاحب نے جس اعلیٰ درجے کی کاوشوں اور عرق ریزیوں سے یہ علمی فریضہ سر انجام دیا یقیناً اس پر یہ دونوں حضرات دینی اور علمی حلقوں کے ہدیۂ تبریک و تحسین کے حقدار ہیں۔ پروفیسر مولوی حاکم علی اپنے دَور میں کسی تعارف و تبصرے کے محتاج نہیں تھے اور آج بھی اہلِ علم انہیں یاد کرتے ہیں، لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا، نئی نسل مولوی صاحب مرحوم و مغفور سے قطعی ناواقف نہیں ہے۔ اِس کی آگاہی کے لیئے مولوی صاحب کا تعارف کچھ یُوں ہوگا کہ وُہ ایف۔سی کالج لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر، اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل، پنجاب یُونیورسٹی کے فیلو، پنجاب ٹیکسٹ بُک کمیٹی کے رُکن، ایجوکیشن کانفرنس پنجاب کے ممبر اور سررشتہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے مُدّتوں رُکن رہے۔ اِسلامیہ کالج لاہور نے برِّصغیر پاک و ہند کے مُسلمانوں کی سیاسی بیداری میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے، اُن سب کے عقب میں مولوی حاکم علی مرحُوم کی درد مندی، دِل سوزی، علمی اور دینی لیاقت بہت روشن ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسی عظیم شخصیتیں قدرت کسی قوم کو بطورِ انعام عطا کرتی ہے۔ مولوی صاحب مرحُوم کی ان مختلف شعبوں اور دائروں میں ایسی عالی شان خدمات ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو دفتر کے دفتر مرتّب کیئے جاسکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ یہ کام جو بہت پہلے ہونا چاہیئے تھا گردشِ لیل و نہار کی نذر ہوگیا۔ بہرحال پروفیسر محمد صدیق نے اِس کام کا بیڑہ اُٹھایا اور لاہور کے کُتب خانے کھنگالے، جہاں جہاں سے اُنہیں مولوی صاحب مرحُوم کے بارے میں مواد مِلا، اُسے اُنھوں نے سلیقے سے کتاب کی زینت بنایا۔ اِس قدر کاوش کے باوجُود مولوی صاحب کے بارے میں بہت سی ضروری باتیں رہ گئیں کہ بدقسمتی سے ہمارے سرکاری و غیر سرکاری کتب خانوں میں پُرانے اخبارات، جرائد اور رسائل کی فائلیں محفوظ نہیں رہیں۔ یا یُوں کہیئے کہ دانستہ محفوظ نہیں رکھی گئیں۔ یہ الگ المیہ داستان ہے۔ بہرکیف مولوی حاکم علی جیسی تاریخی شخصیت پر جو کچھ سامنے آیا ہے وُہی غنیمت جاننا چاہیئے۔ توقع ہے آئندہ ایڈیشن میں مزید اضافے ممکن ہوں گے۔ کتاب میں مولوی صاحب کی بعض نادر و نایاب کتابوں کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی فوٹو سٹیٹ نقلیں بھی چھاپی گئی ہیں خصُوصاً ترکِ موالات کے زمانے میں جو ہنگامہ برِّصغیر کے طول و عرض میں برپا رہا۔ اس پر مولوی صاحب کے قلم سے ایک نادر و نایاب مضمُون بھی مکمّل صُورت میں شامِل کتاب ہے۔ مولوی حاکم علی صاحب کو اعلیٰ حضرت اِمام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے بے حد محبّت اور عقیدت تھی اور دونوں حضرات ایک دُوسرے کے قدر دان تھے۔ مولوی صاحب گاہے گاہے علمی اور دینی مسائل میں اعلیحضرت سے بذریعہ مراسلت رابطہ رکھتے اور ان سے اِستفادہ کیا کرتے تھے۔ اس مراسلت کے نمُونے بھی کتاب میں موجُود ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مُسلمانانِ ہند کے سیاسی، دینی اور قومی معاملات و مسائل میں اِن حضرات کا نقطۂ نظر یکساں تھا اور یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ہندوؤں سے تحریکِ آزادی یا تحریکِ خلافت کے معاملات میں کسی قِسم کے تعاون کو جائز رکھا جائے یا اُن کے تحت کام کیا جائے۔ اِس لحاظ سے اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ ہندوستان میں دو قومی نظریے کو جن حضرات نے شدّ و مد سے پیش کیا اور تحریر و تقریر اور اپنے عمل کے ذریعے اِسے ثابت بھی فرمایا، اُن میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان اور پروفیسر مولوی حاکم علی کے اسمائے گرامی سرِفہرست ہیں۔

ضخامت: ۱۶۸ صفحات ——— کتابت و طباعت نفیس ——— عُمدہ سفید کاغذ ——— قیمت: بیس رُوپے

تبصرہ نگار:۔ مقبُول جہانگیر

اِمروز ہفت روزہ اشاعت
۳۰۔ دسمبر ۱۹۸۳ء

اِسلام اور کُفر کی ازلی و ابدی جنگ جاری و ساری ہے۔ کُفر کی طاقتیں ملّتِ واحدہ ہیں اور اِسلام کی بیخ کنی کے لیئے ہمہ تن کوشاں۔ گروہِ منافقین و خوارج سے لے کر آج کی سُپر پاورز اور اُن کی ایجنسیاں سی آئی اے، کے جی بی، اِسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے لیئے سرگرمِ عمل ہیں۔

ہم تعداد میں ایک ارب سے زیادہ اور اڑتالیس ۴۸ آزاد سلطنتوں کے مالک و مختار ہونے کے باوجود دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہُوئے ہیں۔ مسئلہ فلسطین و مسئلہ کشمیر تو خیر براہِ راست یہود و ہنود سے متعلق ہیں، لیکن عراق و ایران کے درمیان جنگ اور سرزمینِ افغانستان پر بہنے والا، مسلمانوں کا خُون کسی غیر کے دامن پر نہیں، خُون کے بہانے والے بھی کلمہ گو مسلمان ہی ہیں۔ مگر بالواسطہ اعداءِ اسلام کی سازش کا نتیجہ ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اندریں حالات مسلمانانِ عالم کے درمیان فرقہ وارانہ کشیدگی زہرِ قاتل سے کم نہیں۔ صاحب دل حضرات ہمیشہ اس کے تریاق کی تلاش میں سرگرداں رہے ہیں۔ چنانچہ ہر دَور میں اِتحادِ بَینَ المُسلِمین کی مساعیٔ جمیلہ جاری رہی ہیں۔

موجودہ دَور میں عالمِ اِسلام کے عظیم نابغۂ عصر مجاہدِ ملّت حضرت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق ارزانی فرمائی کہ اُنہوں نے چھ سال قبل ۱۹۸۲ء میں اِتحادِ بَینَ المُسلِمین کے لیئے "چار نکاتی فارمُولا" پیش فرمایا، جسے قومی پریس، دانشورانِ ملّت اور علماء و مشائخِ اُمّت نے بے حد سراہا۔ چنانچہ مختلف مکاتبِ فکر کے ڈیڑھ سو سے زاید جیّد قائدین، علماء و مشائخ کرام نے اِس فارمُولا کی تائید فرمائی۔

مولانا نیازی نے موجودہ گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر اصلاحِ احوال کے لیئے اُٹھنے والی ہر آواز کو اِس کتاب میں سمونے کی سعی فرمائی ہے۔ چنانچہ کتاب میں شامل علامہ سیّد عبّاس حیدر عابدی۔ مُفتی مختارالدین صاحب (خلیفۂ مجاز مولانا محمد زکریا صاحب سہارن پُوری)۔ ڈاکٹر حسن رُوحانی، ایران۔ آیت اللہ طاہری۔ امام خمینی (بحوالہ دستور الجمہوریہ الاسلامیہ فی ایران) اور مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی قابلِ قدر تحریریں اِس مخلصانہ جذبہ کی روشن مثال کہی جاسکتی ہیں۔

کِتاب

اِتحادِ بَینَ المُسلِمین

وقت کی اہم ضرورت

حِصّہ اوّل و دُوم کو اب یکجا شائع کیا گیا ہے

اعلیٰ کتابت ــ عُمدہ طباعت ــ سفید کاغذ ــ سائز ۱۸×۲۳/۸ ــ ۳۶۸ صفحات

مجلّد کتاب چالیس ۴۰/ رُوپے اور بلا جلد پینتیس ۳۵/ رُوپے (سہ رنگا ٹائیٹل)

بذریعہ منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ ڈاک سے طلب فرمائیں۔

○

منیجر۔ مکتبہ رِضویہ، ۲/۲۴ سوڈھیوال کالونی۔ ملتان روڈ

لاہور۔ کوڈ نمبر ۵۴۵۰۴